نضر الله امرءً اسمع منا حديثًا فحفظه حتی یبلغه



ماھنامہ

الحدیث

حضرو



جمادی الاخریٰ، رجب ۱۴۳۳ھ مئی، جون ۲۰۱۲ء

مدیر: حافظ زبیر علی زئی

- نمازِ تراویح کے بعض مسائل اور طریقۂ وتر
- اہلِ حدیث کب سے ہیں اور دیوبندیہ و بریلویہ کا آغاز کب ہوا؟
- سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث اور۔۔۔۔
- تقلیدِ شخصی کی حقیقت آلِ دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں
- مسجد میں ذکر بالجہر اور حدیث ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ
- ساتویں دن کے بعد عقیقہ کرنا، جائز ہے



مکتبۃ الحدیث حضرو، اٹک: پاکستان

نمازوں کی حفاظت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾

اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (المؤمنون: ۹)

فقہ القرآن:

① ایمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ نمازوں کی حفاظت کی جائے، یعنی فرض نمازوں کو ان کے اوقات پر ادا کیا جائے، صحیح عقائد و خلوصِ نیت کے ساتھ ساتھ سنتِ مطہرہ کا التزام کیا جائے۔ ② اللہ تعالیٰ نے ہر مکلف مسلمان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری (۲۷۴۷) وغیرہ کے دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔

③ حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت دلائل و براہین کا خیال رکھتے ہوئے سنتِ مصطفیٰ (ﷺ) کے مطابق انتہائی خشوع و خضوع سے اور نمازوں کے اوقات کی پابندی کرتے ہوئے ہمیشگی اور دوام کے ساتھ نمازیں پڑھی جائیں۔

فرائض کے ساتھ سنن و نوافل کا بھی خاص خیال رکھا جائے اور کتاب و سنت کی مخالفت سے ہر وقت اجتناب کیا جائے۔

④ وقت پر نماز پڑھنا اللہ کے نزدیک محبوب عمل ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۲۷)

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اول وقت نماز پڑھنا سب سے افضل ہے۔

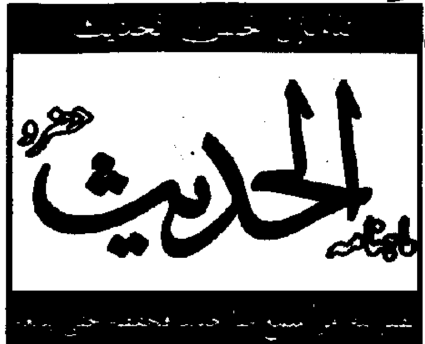
(صحیح ابن خزیمہ: ۳۲۷ وسندہ صحیح، ہدیۃ المسلمین ص ۲۱ ح ۵)

⑤ تاخیر سے نماز پڑھنا سنت کے بھی خلاف ہے اور یہ منافقین کا طرزِ عمل ہے۔

⑥ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے لئے صرف دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، پھر نواں، پھر آٹھواں، پھر ساتواں حتیٰ کہ اس کے لئے پوری نماز کا اجر لکھا جائے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۱۴ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۶۱۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم





جلد:9 | جمادی الاخریٰ، رجب ۱۴۳۳ھ | شمارہ 7,6

مئی، جون ۲۰۱۲ء

معاونین

حافظ ندیم ظہیر

ابو خالد شاکر

ابو جابر عبداللہ دامانوی

قیمت

فی شمارہ : 50 روپے

سالانہ : 300 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

400 روپے

اس شمارے میں

زیر کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

حافظ شیر محمد

0300-5288783

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

0302-5756937

اضواء المصابیح

أضواء المصابيح في تحقيق مشكوة المصابيح

۳۰۶) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((**إذا وجد أحدكم في بطنه شيئاً فأشكل عليه، أخرج منه شيء أم لا؟ فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتاً أو يجد ريحًا.**)) رواه مسلم.

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کوئی چیز (ہوا) محسوس کرے، پھر اس پر (یہ سمجھنا) مشکل ہو جائے کہ کیا اس کی شرمگاہ سے ہَوا نکلی ہے یا نہیں؟ تو جب تک (ہَوا نکلنے کی) آواز نہ سنے یا بدبو نہ سونگھے تو مسجد سے باہر نہ جائے۔

اسے مسلم (۹۹/۳۶۲) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

ا: سبیلین (دُبُر یا قُبُل) سے ہَوا نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، چاہے آواز سے نکلے یا بے آواز ہو، تھوڑی نکلے یا زیادہ نکلے، بدبو آئے یا نہ آئے، ان تمام حالتوں میں جب یقین ہو کہ ہَوا نکلی ہے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲ ص ۲۷۔۲۹

۲: اس حدیث میں اس بیمار شخص کا حکم مذکور ہے جسے شک اور وہم کی بیماری ہے اور وہ ہر وقت یہ سمجھتا رہتا ہے کہ کہیں میری ہَوا نہ نکلی ہو اور یہ بے چارہ اپنے مرض، شک وشبہ کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار رہتا ہے، ایسے مریض شخص کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ شک چھوڑ دے اور جب تک پورا پورا یقین نہ ہو تو نماز پڑھتا رہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تھوڑی سی ہَوا نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، لہٰذا جو لوگ اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کے خلاف لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹا پروپیگنڈا کرتے رہتے

ہیں، انھیں سمجھ لینا چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اپنے اقوال وافعال کا حساب دینا پڑے گا اور اس دن کی پکڑ بڑی سخت ہے۔
مزید تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام (۱/ ۲۲۵۔۲۲۹)

۳: شک کو چھوڑ کر ہمیشہ یقین والا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

۴: شریعت کے ہر حکم میں لوگوں کے لئے خیر ہی خیر ہے۔

۵: ہر مشتبہ کام سے بچنا ضروری ہے۔

۳۰۷) وعن عبد اللّٰہ بن عباس قال: إن رسول اللّٰہ ﷺ شرب لبنًا فمضمض وقال: ((إن له دسمًا .)) متفق علیه .

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا، پھر کلی کی اور فرمایا: اس میں چکناہٹ ہے۔
متفق علیہ (صحیح بخاری: ۲۱۱، صحیح مسلم: ۹۵/ ۳۵۸)

فقہ الحدیث:

۱: دودھ پینے کے بعد کلی کرنا سنت ہے۔

۲: ہر وہ چیز جس میں چکناہٹ ہو، اس کے کھانے یا پینے کے بعد کلی کرنا بہتر ہے۔

۳۰۸) وعن بریدة: أن النبي ﷺ صلّی الصلوات یوم الفتح بوضوءٍ واحدٍ، و مسح علی خفیه، فقال له عمر: لقد صنعت الیوم شیئًا لم تکن تصنعه ؟! فقال: ((عمدًا صنعته یا عمرُ!)) رواه مسلم .

اور بُریدہ (بن الحصیب رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ فتح مکہ والے دن نبی ﷺ نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔ پھر آپ سے عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: آپ نے آج ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کرتے تھے؟!

تو آپ نے فرمایا: اے عمر! میں نے یہ جان بوجھ کر کیا ہے۔!

اسے مسلم (۸۶/ ۲۷۷) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا ضروری نہیں، بلکہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

۲: صحابہؓ کرام اپنے مقتدا و محبوب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ہر عمل کو بغور دیکھتے، یاد رکھتے اور مسئلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں پوچھ لیتے تھے۔

۳: لوگوں کو مسئلہ سمجھانے کے لئے بعض اوقات افضل کے بجائے جائز بات پر بھی عمل کر لینا چاہئے تاکہ دین میں کسی قسم کی تنگی کا تصور باقی نہ رہے اور لوگوں کو جواز بھی معلوم ہو جائے۔

۴: اگر وضو کرنے کے بعد موزے پہنے ہوں تو پھر بعض شرائط کے ساتھ دوبارہ وضو میں ان موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اور اسی پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

۲۰۹) وعن سويد بن النعمان : أنه خرج مع رسول الله ﷺ عام خيبر حتى إذا كانوا بالصهباء ـ و هي من أدنى خيبر ـ صلى العصر ، ثم دعا بالأزواد، فلم يؤت إلا بالسويق ، فأمر به فثري ، فأكل رسول الله ﷺ ، و أكلنا ، ثم قام إلى المغرب ، فمضمض و مضمضنا، ثم صلى ولم يتوضأ. رواه البخاري .

اور سُوید بن النُعمان (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ وہ غزوۂ خیبر والے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے، حتیٰ کہ وہ خیبر کے قریب صہباء (نامی مقام) پر پہنچے تو آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر زادِراہ منگوایا تو ستوؤں کے سوا کچھ بھی نہیں لایا گیا تھا۔

پس آپ نے حکم دیا کہ انھیں بھگو دیا جائے، پھر رسول اللہ ﷺ اور ہم نے اسے (بھگوئے ہوئے ستوؤں کو) کھایا۔

پھر آپ مغرب (کی نماز) کے لئے کھڑے ہوئے، آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی، پھر آپ نے نماز پڑھائی اور دوبارہ وضو نہیں کیا۔

اسے بخاری (۲۰۹) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ (اونٹ کے گوشت کی تخصیص کے علاوہ) آگ پر پکی ہوئی ہر حلال چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ نیز دیکھئے ح ۳۰۵

۲: رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل دونوں حجت ہیں، بلکہ دوسرے دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جو کہا گیا یا عمل کیا گیا اور آپ نے اس پر انکار نہیں کیا یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تو وہ قول و عمل بھی آپ کی رضامندی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے حجت ہے اور اسے تقریری حدیث کہا جاتا ہے۔

۳: صحابۂ کرام ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کی اتباع میں تیار و سرشار رہتے تھے، لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ حدیث کو وحی اور واجب الاطاعت سمجھتے تھے۔

۴: زادِ راہ لے کر سفر کرنا سنت ہے۔

۵: اکٹھے مسافرین کا اپنے سفر میں کھانے پینے کا سامان اکٹھا رکھنے میں برکت ہوتی ہے۔

۶: صالحین و اولیاء ہوں یا عوام، کوئی شخص بھی زادِ سفر سے بے نیاز نہیں ہے، لہٰذا اس سے ان صوفیہ کا رد ہوتا ہے جو تدبیر کو توکل کے منافی سمجھتے ہیں۔

۷: یہ حدیث موطأ امام مالک (روایۃ یحییٰ ۱/ ۲۶ ح ۴۸، روایۃ ابن القاسم: ۵۰۰ بتحقیقی) میں بھی موجود ہے اور حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''هذا حديث صحيح إسناده ثابت معناه'' اس حدیث کی سند صحیح ہے، معنی ثابت ہے۔ (التمہید ۲۳/ ۱۷۶)

ثابت ہوا کہ ضرورت کے وقت یا بعض اوقات صحیحین کی حدیث کو بھی ''سنده صحيح'' یا ''صحیح'' وغیرہ کہا جا سکتا ہے، اگرچہ صحیحین کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح یا حسن لذاتہ اور حجت ہیں۔

۸: یہ اصول کہ ''فعلی حدیث قولی حدیث کی ناسخ نہیں ہو سکتی'' غلط اور بے دلیل ہے۔

۹: پہلے سے تیاری اور تدبیر کرنا توکل کے خلاف نہیں۔



توضیح الاحکام

سوال وجواب — تحقیق الاحادیث — حافظ زبیر علی زئی

نمازِ تراویح کے بعض مسائل اور طریقۂ وتر

سوال انگلینڈ کی اہلِ حدیث مساجد میں رمضان المبارک میں یہ معمول ہے کہ

ا: بعض لوگ امام کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کرتے ہیں اور وتر چھوڑ دیتے ہیں۔

۲: اور بعض لوگ امام کے ساتھ وتر ادا کر کے امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت علیحدہ سے ادا کرتے ہیں۔

۳: اور بعض لوگ امام کے ساتھ صرف فرض ادا کرتے ہیں اور یہ لوگ رات کے آخری حصے میں چار رکعت یا آٹھ رکعت امام کے ساتھ ادا کر کے آخر میں وتر پڑھتے ہیں اور یہ نماز باقی نمازوں کی نسبت قدرے لمبی ہوتی ہے اور اس نماز کو یہ لوگ قیام کا نام دیتے ہیں۔

آیا یہ قیام کا طریقہ نبی ﷺ کے زمانے میں تھا؟

کیا یہ جائز، ناجائز بات ہے یا افضل، غیر افضل کا مسئلہ ہے؟

بعض لوگ اس کے جائز ہونے کے لئے سعودی علماء اور (انگلینڈ کے) مقامی علماء کے حوالے دیتے ہیں۔ براہِ مہربانی اس مسئلہ کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں مع حوالہ جات تحریر فرمائیں اور اس کے علاوہ تین رکعت وتر پڑھنے کا صحیح طریقہ بھی بیان فرمادیں۔

(محمد فیاض داما نوی، بریڈفورڈ، انگلینڈ)

الجواب آپ کے سوال کی تینوں شقوں کا جواب درج ذیل ہے:

ا: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا.))

رات کو اپنی آخری نماز وتر بناؤ۔

(صحیح بخاری، کتاب الوتر باب لیجعل آخر صلاته وترا ح ۹۹۸)

اس مفہوم کی مؤید دوسری روایات بھی ہیں اور غالباً یہ لوگ ان سے استدلال کرتے ہیں، یعنی رات کے بالکل آخری حصے میں اذانِ فجر سے پہلے یہ نمازِ وتر پڑھتے ہوں گے۔ واللہ اعلم

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے: جس شخص کو یہ ڈر ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں سویا رہ جائے گا تو وہ شروع میں ہی وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں اٹھ جائے گا تو اسے آخری حصے میں وتر پڑھنا چاہئے اور رات کی آخری نماز میں (فرشتوں کی) حاضری ہوتی ہے اور یہ افضل ہے۔ (ح ۷۵۵، ترقیم دارالسلام: ۱۷۶۶)

ایک ہی رات میں وتر پر وتر پڑھنے کو نقضِ وتر کا مسئلہ کہا جاتا ہے، یعنی یہ لوگ دوبارہ وتر پڑھتے ہیں اور اپنے خیال میں اس عمل سے پہلے وتر کو توڑ دیتے ہیں اور ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ رات کے آخری حصے میں (تیسری بار) وتر پڑھتے ہوں گے۔ واللہ اعلم

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اگر ایک وتر پڑھ لیتے اور پھر قیامِ لیل کرنا چاہتے تو دوبارہ ایک وتر پڑھ کر سابقہ وتر کو جفت بنا دیتے، پھر قیامِ لیل فرماتے اور آخر میں (تیسری مرتبہ) وتر پڑھتے تھے۔

(مثلاً دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۲ ح ۶۷۲۶ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۳۶ ح ۴۸۴۵ وسندہ حسن)

نیز اس مسئلے پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل واجتہاد بھی تھا۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۴ ح ۶۷۲۵ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نقضِ وتر کے بارے میں فرمایا: میں یہ کام، اپنی رائے سے کرتا ہوں، میں اسے کسی سے روایت نہیں کرتا۔ (مسند علی بن الجعد: ۴۳۷ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۴۵۰)

یہی مسئلہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔

(دیکھئے الاوسط لابن المنذر ۵/ ۱۹۷ ح ۲۶۷۱ وسندہ حسن ۵/ ۱۹۶ ح ۲۶۶۷ وسندہ حسن)

یہ مسئلہ امام عروہ بن الزبیر اور امام مکحول وغیرہما رحمہم اللہ سے بھی ثابت ہے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۲ ح ۶۷۲۹، ۶۷۳۲)

لیکن ان آثار کے مقابلے میں صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا وتران في ليلة .)) ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں۔ (سنن ابی داود: ۱۴۳۹، وسندہ صحیح)

اس حدیث کے راوی سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ بھی صرف ایک دفعہ وتر پڑھنے کے قائل تھے۔

(دیکھئے سنن ابی داود: ۱۴۳۹، وحسنہ الترمذی: ۴۷۰ وصححہ ابن خزیمہ: ۱۱۰۱، وابن حبان: ۶۷۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے (ایک قول میں) فرمایا: جب تم پہلی رات میں وتر پڑھ لو تو آخری حصہ میں (دوبارہ) وتر نہ پڑھو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۸۴ ح ۶۷۳۴ وسندہ حسن)

امام شعبی رحمہ اللہ نقضِ وتر کے قائل نہیں تھے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۸۵ ح ۶۷۴۴ وسندہ صحیح)

امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: "ولا ینقض وترہ" اور نقضِ وتر نہیں کرنا چاہئے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۳۶ وسندہ حسن)

خلاصۃ التحقیق: اس مسئلے میں راجح بات یہ ہے کہ ایک دفعہ وتر پڑھ لینے کے بعد دوبارہ وتر نہ پڑھا جائے اور اگر کوئی شخص وتر پڑھنے کے بعد بھی آخری رات میں نفل نماز پڑھنا چاہتا ہے تو صرف دو رکعتیں پڑھ لے اور بہتر یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں بھی نہ پڑھے بلکہ قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ اگر کوئی شخص وتر کے بعد بھی نوافل پڑھنا چاہتا ہے تو یہ حرام نہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ صحیح حدیث پر عمل کرتے ہوئے رات کی آخری نماز صرف وتر کو بنایا جائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (رمضان کے) روزے رکھے، پھر آپ نے ہمیں (تراویح کی) نماز نہیں پڑھائی حتی کہ جب (رمضان کے) مہینے کی سات راتیں رہ گئیں تو ہمیں آپ نے ایک تہائی رات تک (قیامِ رمضان کی) نماز پڑھائی پھر چھٹی رات کوئی قیام نہیں فرمایا اور پانچویں رات آدھی رات تک قیام فرمایا۔ پس ہم نے آپ سے کہا: یارسول اللہ! اگر آپ آج کی باقی رات بھی ہمیں نماز پڑھا دیتے تو؟

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ((إنه من قام مع الإمام حتى ينصرف كتب له

قیام لیلۃ.)) بے شک جو شخص امام کے ساتھ قیام کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس شخص کے لئے ساری رات کا قیام (یعنی ثواب) لکھا جاتا ہے۔

(سنن ترمذی: ۸۰۶ وقال: ''حسن صحیح'' وسندہ صحیح)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام کے ساتھ (مکمل) تراویح (مع وتر) پڑھنے والے کو ساری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کی انفرادی نماز سے، امام کے ساتھ نماز تراویح پڑھنا افضل ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

''میں اسے پسند کرتا ہوں کہ امام کے ساتھ نماز (تراویح) اور وتر پڑھے جائیں۔''

پھر انھوں نے حدیث مذکور سے استدلال کیا۔ (مسائل ابی داود ص ۶۲ باب التراویح)

اور اسی پر امام احمد بن حنبل کا عمل تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ.

ثابت ہوا کہ مذکور لوگوں کا عمل مرجوح ہے۔ واللہ اعلم

۲: اسے نقض الوتر کہا جاتا ہے اور اس کا مفصل ذکر جواب کی شق نمبر ۱ کے تحت گزر چکا ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ عمل مرجوح ہے اور بہتر وہی ہے جو میں نے نمبر ۱ کے تحت بیان کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

۳: یہ عمل صراحت کے ساتھ نبی ﷺ سے ثابت نہیں، لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو پیش نظر رکھ کر یہ اجتہاد کرتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح بخاری میں موجود ہے۔

(کتاب صلوۃ التراویح باب فضل من قام رمضان ح ۲۰۱۰)

سنن ترمذی وغیرہ کی مرفوع صحیح حدیث (جسے شق نمبر ۱ کے تحت بیان کر دیا گیا ہے) سے یہی ظاہر ہے کہ اول شب ہی امام کے ساتھ مکمل قیام مع وتر کر لیا جائے اور یہی افضل، بہتر و راجح ہے۔

یہ اختلاف جائز ناجائز کا اختلاف نہیں بلکہ افضل و غیر افضل کا اور راجح و مرجوح کا اختلاف ہے جس میں ہر صحیح العقیدہ فریق کو حسبِ اجتہاد ثواب ملے گا۔ ان شاء اللہ

سعودی عرب (یعنی جزیرۃ العرب) کے علماء ہوں یا مقامی و غیر مقامی علماء ہوں، سب کو چاہئے کہ سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں قرآن و حدیث اور اجماع سے استدلال کریں اور فریقِ مخالف کو بھی اپنی دلیل بیان کرنے اور اپنی تحقیق پر عمل کرنے کا موقع دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((يا أيها الناس! ألا إنّ ربّكم واحد وإنّ أباكم واحد، **ألا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا أحمر على أسود ولا أسود على أحمر إلا بالتقوىٰ.**))

اے (ساری دنیا کے) لوگو! سن لو کہ یقیناً تمھارا رب ایک ہے اور یقیناً تمھارا باپ ایک ہے۔ (یعنی سیدنا آدم علیہ السلام)

سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے۔ کسی سرخ کو کسی کالے پر فضیلت نہیں اور نہ کسی کالے کو کسی سرخ پر فضیلت ہے، اِلا یہ کہ تقویٰ ہو۔

(مسند احمد ۵/۴۱۱ ح ۲۳۴۸۹ وسندہ صحیح)

فضیلت تو ایمان، اعمال صالحہ، علم اور تقویٰ میں ہے۔

[تین رکعت وتر پڑھنے کا صحیح طریقہ]

اب تین رکعت وتر پڑھنے کا صحیح طریقہ پیشِ خدمت ہے:

۱: دو رکعت پڑھ کر (تشہد، درود اور دعا کے بعد) دونوں طرف سلام پھیر دیا جائے اور بعد میں دوسری تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کے ساتھ ایک رکعت وتر پڑھا جائے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (وتر کی) جفت (دو) اور وتر (ایک) رکعت کو سلام کے ساتھ جدا (علیحدہ) کرتے تھے اور یہ سلام ہمیں سناتے تھے۔

(صحیح ابن حبان، الاحسان ۴/۷۰ ح ۲۴۲۶ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اسی طرح وتر پڑھتے تھے۔ (دیکھئے صحیح البخاری: ۹۹۱)

صحیح مسلم کی حدیث: ((یسلّم بین کل رکعتین ویوتر بواحدة .))

آپ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے اور (آخر میں) ایک وتر پڑھتے تھے۔ (۱/۲۵۴ ح ۷۳۶) کے عموم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا جائے اور آخر میں ایک وتر پڑھا جائے۔

تین وتر کا یہ طریقہ سب سے افضل اور راجح ہے۔

۲: اگر دوسری رکعت پر سلام نہ پھیرا جائے اور تین وتر اکٹھے پڑھے جائیں تو یہ عمل بھی جائز ہے، بشرطیکہ دوسری رکعت میں مغرب کی طرح تشہد کے لئے نہ بیٹھا جائے۔

ایک سلام سے تین وتر کے جواز کی دلیل وہ روایت ہے، جس میں آیا ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد) نے ایک سلام سے تین وتر پڑھائے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۲۹۳ وسندہ حسن وصححہ النیموی فی آثار السنن: ۶۱۸، نیز دیکھئے میری کتاب: ہدیۃ المسلمین ص ۶۵ ح ۲۷)

مشہور ثقہ تابعی عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تین وتر پڑھتے تو ان میں بیٹھتے نہیں تھے اور صرف آخری رکعت میں تشہد پڑھتے تھے۔

(المستدرک للحاکم ۱/۳۰۵ وسندہ حسن واخطأ النیموی فضعفہ!، المستدرک المخطوط ج ۱ ص ۱۴۵ اب)

المستدرک علی الصحیحین کے مؤلف ابوعبداللہ الحاکم النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ما أخبرناه أبو نصر أحمد بن سهل الفقيه ببخارا : ثنا صالح بن محمد ابن حبيب الحافظ : أنبأ شيبان بن أبي شيبة : ثنا أبان عن قتادة عن زرارة بن أوفى عن سعد بن هشام عن عائشة قالت : كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم يوتر بثلاث ، لا يقعد إلا في آخرهن وهذا وتر أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه وعنه أخذ أهل المدينة ."

عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے، آپ ان میں صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے اور یہی وتر امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہے اور انھی سے

اہلِ مدینہ نے لیا ہے۔ (المستدرک المخطوط ج ۱ ص ۱۴۵ اب)

یہی روایت اسی سند و متن کے ساتھ " إلا في آخرهن " تک ابوعبداللہ الحافظ الحاکم النیسابوری کے شاگرد حافظ ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی رحمہ اللہ نے بھی بیان کر رکھی ہے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸ ح ۴۸۰۳ باب من أوتر بخمس أو ثلاث لا يجلس ولا يسلّم إلا في الآخرة منهن)

اب اس روایت کے راویوں کا مختصر و جامع تعارف پیشِ خدمت ہے:

۱: ابونصر احمد بن سہل الفقیہ البخاری رحمہ اللہ

ان کے بارے میں حافظ ابویعلی خلیل بن عبداللہ بن احمد بن خلیل الخلیلی القزوینی رحمہ اللہ (متوفی ۴۴۶ھ) نے فرمایا: "ثقة متفق عليه"

اور فرمایا: ہمیں حاکم ابوعبداللہ نے ان سے حدیث بیان کی اور انھوں نے ان کی تعریف بیان کی۔ (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۳/ ۹۷۴ ت ۹۰۳)

حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی بیان کردہ حدیث کو امام مسلم کی شرط پر صحیح کہا۔ (المستدرک والتلخیص ۱/ ۴۴۲ ح ۱۶۱۴)

۲: ابوعلی صالح بن محمد بن (عمرو بن) حبیب الحافظ البغدادی البخاری: جزرہ رحمہ اللہ

امام دارقطنی نے فرمایا: "وكان ثقة صدوقًا حافظًا عارفًا ۔ " (المؤتلف والمختلف ۲/ ۷۵۰)

نیز دیکھئے تاریخ بغداد (۹/ ۳۲۲) تاریخ دمشق لابن عساکر اور سیر اعلام النبلاء (۱۴/ ۲۳)

۳: ابومحمد شیبان بن فروخ ابی شیبہ الحبطی الابلی رحمہ اللہ

آپ صحیح مسلم کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک حدیث میں ثقہ وصدوق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں۔

حافظ ذہبی نے ان کے نام کے ساتھ "صح" کی علامت لکھ کر فرمایا: "أحد الثقات"

(میزان الاعتدال ۲/ ۲۸۵ ت ۳۷۵۹)

حسن راوی کے ساتھ حافظ ذہبی "صح" کی علامت لکھیں تو ان کے نزدیک اس راوی پر

جرح مردود ہوتی ہے اور راوی کی توثیق پر عمل ہوتا ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۲/۱۵۹، دوسرا نسخہ ۲/۲۸۹، تحقیقی مقالات ۲/۱۸۲۔۱۸۳)

۴: ابو یزید ابان بن یزید العطار البصری رحمہ اللہ

آپ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''ثقة له أفراد'' (تقریب التہذیب: ۱۴۳)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ''حافظ صدوق إمام ... بل هو ثقة حجة''

(میزان الاعتدال ۱/۱۶ ت ۲۰)

ان کے ساتھ بھی حافظ ذہبی نے ''صح'' کی علامت لکھ رکھی ہے۔

۵: قتادہ بن دعامہ البصری رحمہ اللہ

آپ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے بنیادی راوی اور ثقہ مدلس تھے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''ثقة ثبت'' (تقریب التہذیب: 5518)

حافظ ذہبی نے ان کے ساتھ ''صح'' کی علامت لکھی اور فرمایا: ''حافظ ثقة ثبت لكنه مدلس و رمي بالقدر ...'' (میزان الاعتدال ۳/۳۸۵ ت ۶۸۶۴)

روایت مذکور میں قتادہ کے سماع کی تصریح نہیں ملی، لیکن حنفی اصول پر یہ روایت صحیح ہے۔

ملا جیون (حنفی) نے لکھا ہے: ''حتى لا يقبل الطعن بالتدليس'' حتی کہ تدلیس کا طعن قابلِ قبول نہیں۔ (نور الانوار ص ۱۹۲، درسی نسخہ، مکتبۃ البشریٰ والا نسخہ ۱/۵۴۸)

ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

اور قرون ثلاثہ میں ہمارے نزدیک تدلیس اور ارسال مضر نہیں۔

(اعلاء السنن ۱/۳۱۳، دوسرا نسخہ ۱/۳۳۶ ح ۴۳۱، الکواکب الدریہ ص ۴۷)

ظفر احمد تھانوی نے مزید لکھا ہے: میں نے کہا: اور اگر مدلس قرون ثلاثہ کے ثقہ لوگوں میں سے ہو تو اس کی تدلیس بھی اسی طرح مقبول ہوتی ہے جس طرح اس کی مرسل روایت مقبول ہوتی ہے (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۵۹)

ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

"حالانکہ اسے معلوم ہے کہ احناف کے ہاں تو خیر القرون کی جہالت وتدلیس جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہوگئی..." (تجلیاتِ صفدر ج ۳/۳۲۴)

احمد یار نعیمی بدایونی بریلوی نے لکھا ہے: "ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تدلیس۔ ارسال۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نوعمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں۔ (نور الانوار بحث طعن علی الحدیث)" (جاء الحق حصہ دوم ص ۷ قاعدہ نمبر ۷)

ثابت ہوا کہ حنفیہ و دیوبندیہ اور بریلویہ کے اصول سے قتادہ رحمہ اللہ کی یہ روایت صحیح ہے۔

اہلِ حدیث کے نزدیک اس روایت کے معنوی اور آثار سلف صالحین سے شواہد موجود ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

۶: قاضی ابو حاجب زرارہ بن اوفی العامری البصری رحمہ اللہ

آپ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی تھے اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ثقة عابد" (تقریب التہذیب: ۲۰۰۹)

۷: سعد بن ہشام بن عامر الانصاری المدنی رحمہ اللہ

آپ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی تھے اور مکران کے علاقے میں شہید ہوئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقة" (تقریب التہذیب: ۲۲۵۸)

۸: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

آپ نے دیکھ لیا کہ مستدرک والی روایت کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں اور صرف تدلیس کا اعتراض ہے، لہٰذا یہ سند اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے لیکن حنفیوں، دیوبندیوں اور بریلویوں تینوں کے نزدیک یہ حدیث اور اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

مستدرک کی اس روایت کا ایک شاہد درج ذیل ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لا توتروا بثلاث، أوتروا بخمس أو بسبع ولا

تشبهوا بصلاة المغرب .))

تین وتر نہ پڑھو، پانچ یا سات پڑھو اور مغرب کی نماز سے مشابہت نہ کرو۔ (صحیح ابن حبان، الاحسان ۴/ ۷۱ ح ۲۴۲۰ وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم فی المستدرک ۱/ ۳۰۴ ح ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸، ووافقہ الذہبی)

اس روایت کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات (ج ۴ ص ۱۳۴۔ ۱۳۶)

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا ہے:

اس اور نمازِ مغرب کے ساتھ تشبیہ سے سابقہ ممانعت کے درمیان جمع و توفیق یہ ہے کہ تین سے ممانعت کو دو تشہدوں (والی تین رکعتوں) پر محمول کیا جائے۔ (فتح الباری ۲/ ۴۸۱)

نیز دیکھئے حنابلہ کی کتاب: الشرح الممتع علیٰ زاد المستقنع (۴/ ۱۲)

اس کا دوسرا شاہد اسی مضمون کے شروع میں بحوالہ المستدرک امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے عمل سے گزر چکا ہے۔

دیوبندیہ و بریلویہ جس طریقے سے تین وتر پڑھتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت ہمارے علم کے مطابق نبی کریم ﷺ یا کسی صحابی سے باسند صحیح و حسن لذاتہ موجود نہیں۔

آخر میں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ صرف ایک وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔

(دیکھئے سنن ابی داود: ۱۴۲۲، سنن نسائی: ۱۷۱۲، اور ہدیۃ المسلمین ص ۶۲ ح ۲۶)

[۱۴/ فروری ۲۰۱۲ء]

حائضہ عورتیں اور مساجد میں آمد و رفت

سوال اہلِ حدیث مساجد میں علیحدہ سے عورتوں کا انتظام موجود ہے۔

کیا حائضہ عورت مسجد کے کسی کونے میں بیٹھ کر ذکر و اذکار کر سکتی ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلے کی وضاحت فرما دیں۔ (محمد فیاض دامانوی، بریڈفورڈ انگلینڈ)

الجواب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وجّھوا ھذہ البیوت عن المسجد

فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب)) ان گھروں (کے دروازوں) کو دوسری طرف پھیر دو، کیونکہ میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے حلال قرار نہیں دیتا۔

(سنن ابی داود: ۲۳۲ وسندہ حسن وصححہ ابن خزیمہ: ۱۳۲۷)

اس روایت کے راوی افلت بن خلیفہ صدوق ہیں۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۴۶)

اور جسرہ بنت دجاجہ کی توثیق امام عجلی، حافظ ابن حبان اور امام ابن خزیمہ سے ثابت ہے اور جمہور کی اس توثیق کے مقابلے میں امام بخاری کا قول ''عند جسرة عجائب'' مرجوح ہے۔

ثابت ہوا کہ حائضہ عورت مسجد میں نہ داخل ہو سکتی ہے اور نہ مسجد میں ذکر واذکار کر سکتی ہے۔

حج اور بیت اللہ کا طواف، نیز تنعیمی عمروں کا حکم

سوال اگر کوئی شخص حج کے لئے جائے اور وہ فارغ اوقات میں کعبہ کا طواف ہی کرتا رہے تو یہ عمل کرنا کیسا ہے؟ اور بعض لوگ میقات جا کر وہاں سے احرام باندھ کر اپنے لئے، اپنے والدین یا عزیز رشتہ داروں کے لئے عمرہ کرتے ہیں۔ یہ عمل کیسا ہے؟

براہِ مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(محمد فیاض دامانوی، بریڈفورڈ انگلینڈ)

الجواب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إنما الطواف صلوة فإذا طفتم فأقلّوا الكلام .)) طواف تو نماز ہے، لہٰذا جب تم (بیت اللہ کا) طواف کرو تو باتیں تھوڑی کیا کرو۔ (مسند احمد ۳/۴۱۴ ح ۱۵۴۲۳ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طواف میں باتیں تھوڑی کیا کرو اور (اس حالت میں) تم تو نماز میں ہوتے ہو۔ (سنن نسائی: ۲۹۲۶ وسندہ صحیح موقوف)

بیت اللہ کا طواف نماز کے حکم میں ہے اور یہ عبادت پوری دنیا میں صرف مکہ مکرمہ (بیت اللہ) میں ہوتی ہے، لہٰذا حاجی یا معتمر (عمرہ کرنے والے) کو چاہئے کہ اپنے مناسک

سے فارغ ہوکر اپنا زیادہ وقت بیت اللہ میں صرف کرے اور داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد (دو رکعتیں) پڑھنے کے بعد حتی الوسع طواف ہی کرتا رہے اور اگر تھک جائے تو بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت یا ذکر و اذکار میں مصروف رہے۔

تنعیم سے جو مروّجہ عمرے کئے جاتے ہیں، ان پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے، لیکن اس استدلال میں نظر ہے اور بہتر یہی ہے کہ میقات سے عمرہ کیا جائے اور حائضہ کے علاوہ دوسرے لوگ تنعیم (مسجدِ عائشہ) سے عمرہ نہ کریں۔

اہلِ مکہ کے صحیح العقیدہ علماء کی بھی یہی تحقیق ہے۔ واللہ اعلم

درج بالا حدیث سے دو مزید مسئلے بھی ثابت ہیں:

۱: نماز میں کلام کرنا جائز نہیں۔

۲: حالتِ طواف میں ضروری کلام کرنا جائز ہے۔

پردیس میں تعزیتِ اموات

سوال ہمارا کوئی عزیز، رشتہ دار پاکستان میں فوت ہوجاتا ہے تو ہم لوگ انگلینڈ میں تین دن تک تعزیت کے لئے بیٹھتے ہیں اور تین دن رشتہ داروں کی طرف سے کھانا بھی آتا ہے۔ ہمارا یہ کام کہاں تک درست ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (محمد فیاض دامانوی، بریڈفورڈ انگلینڈ)

الجواب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب زید بن حارثہ، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔ آپ کے چہرے پر غم کے آثار نظر آرہے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۲۹۹، صحیح مسلم: ۹۳۵ ترقیم دارالسلام: ۲۱۶۱)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اہلِ میت کا تعزیت والوں کے لئے (تین دن تک) بیٹھنا جائز ہے۔

سیدنا جعفر بن ابی طالب الطیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آلِ جعفر کو تین

دن کی مہلت دی، پھر ان کے پاس جا کر فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا۔

(سنن ابی داود: ۴۱۹۲ وسندہ صحیح)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تین دن سے زیادہ سوگ کرنا اور اس کے لئے بیٹھنا جائز نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِصْنَعُوْا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ .)) آلِ جعفر کے لئے کھانا تیار کرو، کیونکہ ان پر ایسی بات آگئی ہے جس نے انھیں مشغول کر دیا ہے۔

(سنن ابی داود: ۳۱۳۲ وسندہ حسن، توضیح الاحکام ج ۱ ص ۵۰۸)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ میت والوں کے رشتہ دار یا دوست ہمدرد وغیرہ اُن کے لئے (تین دن تک) کھانا تیار کر کے بھیج سکتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اگر دوست رشتہ دار کسی ضروری کام میں بہت مصروف ہوں تو ان کے پاس کھانا پانی بھیجنے کے ساتھ ان کی تواضع کرنا جائز بلکہ بہت بہتر ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں آپ کے سوال کے مختصر جوابات درج ذیل ہیں:

۱: آپ لوگوں کا اپنے کسی قریبی رشتہ دار پر غم کے لئے تین دن تک بیٹھنا جائز ہے۔

۲: لوگوں کی طرف سے ان دنوں میں جو کھانا بھیجا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے۔

مسلمان ہونے کی شرائط اور اہلِ قبلہ کی تکفیر

سوال کیا قبلہ کی طرف رخ کرنے والے سارے لوگ مسلمان ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ (محمد فیاض دامانوی، بریڈفورڈ انگلینڈ)

الجواب قبلہ (بیت اللہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے یا کہلوانے والے سارے لوگ مسلمان نہیں، بلکہ ان میں ختمِ نبوت کے منکرین مثلاً قادیانیہ و بہائیہ وغیرہما اور ان جیسے کفریہ عقائد رکھنے والے سارے لوگ کافر اور

دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ درج ذیل ایمانیات وعقائد پر صحیح اور سچا ایمان رکھے:

۱: قرآن مجید کے کلام اللہ، برحق اور غیر مخلوق ہونے پر ایمان

جولوگ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں یا قرآن مجید کو مخلوق کہتے ہیں، وہ لوگ کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

۲: رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ پر ایمان

۳: جو عقیدہ وعمل قرآن واحادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس پر ایمان مثلاً حیاتِ مسیح علیہ السلام، نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، خروج دجال لعین اور دیگر عقائد صحیحہ

۴: ختمِ نبوت (یعنی رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی ہونے) پر ایمان

۵: توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید الاسماء والصفات پر ایمان

۶: شعائر اللہ مثلاً رسول اللہ ﷺ، بیت اللہ، کتاب اللہ اور صحیح حدیث وغیرہ کی پوری پوری تعظیم ومحبت کرنا اور ہر قسم کی صریح وغیر صریح گستاخیوں سے مکمل بچنا۔

۷: ضروریاتِ دین والے عقائد ومسائل پر ایمان

۸: ثابت شدہ اور ناقابلِ تردید اجماعِ امت پر ایمان

۹: تقدیر پر ایمان

۱۰: فرشتوں پر ایمان

۱۱: آسمانی کتابوں مثلاً تورات، زبور، انجیل اور صحفِ ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام پر ایمان کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور یہود ونصاریٰ نے بعد میں آسمانی کتابوں میں تحریف وتبدیلی کردی۔

۱۲: تمام رسولوں اور انبیاء کی رسالت ونبوت پر ایمان

۱۳: توحید پر ایمان

۱۴: شرک سے کلیتاً اجتناب

۱۵: شیاطین اور ان کی ذریت، نیز طواغیت اور مقلدینِ طواغیت سے براءت کا اعلان (وغیر ذلك)

تفصیل کے لئے مطولات (مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم کی کتاب الایمان اور امام آجری کی کتاب الشریعہ وغیرہ) کا مطالعہ مفید ہے، یا اپنے قریبی صحیح العقیدہ علماء سے رابطہ رکھیں۔

یہ وہ ایمانیات ہیں، جن میں سے کسی ایک کے انکار سے بھی انسان دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔

نیز دیکھئے راقم الحروف کی ترجمہ کردہ کتاب: ''شرح حدیث جبریل علیہ السلام''

عورتوں کا اپنے بال کٹوانا

سوال عورتوں کا بال کٹوانا یا نہ کٹوانا کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (محمد فیاض داما نوی، بریڈفورڈ انگلینڈ)

الجواب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ليس على النساء الحلق ، إنما على النساء التقصير .))

عورتوں پر (حج میں) سر منڈانا نہیں، بلکہ عورتوں پر بالوں کا قصر کرنا ہے۔

(سنن ابی داود: ۱۹۸۵، سنن دارمی: ۱۹۱۱، وسندہ حسن وحسنہ الحافظ فی التلخیص الحبیر ۲/ ۲۶۱)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حج اور عمرے کے دوران میں بھی عورتیں سر نہیں منڈائیں گی اور اسی پر اجماع ہے۔ (دیکھئے کتاب الاجماع لابن المنذر: ۱۹۹/ ۶۵، حاجی کے شب و روز ص ۸۹)

قصر میں بھی صرف ایک انگلی کی موٹائی یا اس کے قریب جتنے بال کاٹے جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ عورت مردوں کی طرح اپنے سر کے بال نہیں کاٹ سکتی، کیونکہ اس سے مردوں کی مشابہت لازم آتی ہے اور مشابہت حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورتیں مردوں سے مشابہت کرتی ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہو۔

(صحیح بخاری: ۵۸۸۵ ...)

گناہ کا ارادہ اور عمل

سوال اگر کوئی بندہ کسی بھی گناہ کے کام کا پکا ارادہ کرتا ہے، لیکن وہ عملی طور پر گناہ کا کام نہیں کر سکتا یا کرنے کا موقع نہیں ملتا تو کیا ایسے شخص کا گناہ اللہ کے ہاں لکھا جائے گا؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (محمد فیاض دامانوی، بریڈ فورڈ انگلینڈ)

الجواب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے بیان کیا:

پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس نیکی پر عمل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں ایک پوری نیکی (کا ثواب) لکھ دیتا ہے اور اگر وہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں دس سے لے کر سات سو گنا یا اس سے زیادہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

اور جو شخص بُرائی کا ارادہ کرتا ہے، لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے، پھر اگر وہ اس بُرائی پر عمل کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک بُرائی لکھ دی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۴۹۱، صحیح مسلم: ۱۳۱)

اس صحیح متفق علیہ حدیثِ قدسی سے ثابت ہوا کہ سوال مذکور میں اس شخص کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ درج نہیں ہوتا اور یاد رہے کہ بُرائی کے ارادوں سے بھی بچنا ضروری ہے، تاکہ آدمی اس بُرائی میں کہیں مبتلا نہ ہو جائے۔

اگر کسی شخص کے دل و دماغ میں بُرائی کا ارادہ آجائے یا شیطانی وسوسے جنم لیں تو اسے فوراً توبہ و استغفار کرنا چاہیے اور درج ذیل آیت پڑھنی چاہیے۔

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحدید: ۳)

(دیکھئے سنن ابی داود: ۵۱۱۰ وسندہ حسن)

[۹/ فروری ۲۰۱۲ء]

اہلِ حدیث کب سے ہیں اور دیوبندیہ و بریلویہ کا آغاز کب ہوا؟

سوال ہم لوگ یہ سنتے رہتے ہیں کہ اہلِ حدیث حضرات انگریزوں کے دور میں شروع ہوئے ہیں۔ پہلے ان لوگوں کا نام ونشان نہیں تھا۔ براہِ مہربانی پاک و ہند کے گزشتہ دور کے اہلِ حدیث علماء کے نام مختصر تعارف کے ساتھ تحریر فرمادیں۔ شکریہ

(محمد فیاض دامانوی، بریڈفورڈ انگلینڈ)

الجواب جس طرح عربی زبان میں ''أهل السنة'' کا مطلب ہے: سنت والے۔ اسی طرح اہل الحدیث کا مطلب ہے: حدیث والے۔

جس طرح سنت والوں سے مراد صحیح العقیدہ سُنی علماء اور اُن کے صحیح العقیدہ عوام ہیں، اسی طرح حدیث والوں سے مراد صحیح العقیدہ محدثین کرام اور ان کے صحیح العقیدہ عوام ہیں۔

یاد رہے کہ اہلِ سنت اور اہلِ حدیث ایک ہی گروہ کے دو صفاتی نام ہیں۔

صحیح العقیدہ محدثین کرام کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً

۱: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

۲: تابعین عظام رحمہم اللہ

۳: تبع تابعین

۴: اتباع تبع تابعین

۵: حفاظِ حدیث

۶: راویانِ حدیث

۷: شارحینِ حدیث وغیرہم رحمہم اللہ

صحیح العقیدہ محدثین کے صحیح العقیدہ عوام کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً:

۱: بہت پڑھے لکھے لوگ

۲: درمیانہ پڑھے لکھے لوگ

۳: تھوڑا پڑھے لکھے لوگ

۴: ان پڑھ عوام

یہ کل (۷ + ۴) گروہ اہلِ حدیث کہلاتے ہیں اوران کی اہم ترین نشانیاں درج ذیل ہیں:

۱: قرآن وحدیث اوراجماعِ اُمت پر عمل کرنا۔

۲: قرآن وحدیث اوراجماع کے مقابلے میں کسی کی بات نہ ماننا۔

۳: تقلید نہ کرنا۔

۴: اللہ تعالیٰ کوسات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ماننا۔ **کما یلیق بشأنه**

۵: ایمان کا مطلب دِلی یقین، زبانی قول اور جسمانی عمل ماننا۔

۶: ایمان کی کمی بیشی کا عقیدہ رکھنا۔

۷: کتاب وسنت کوسلف صالحین کے فہم پر سمجھنا اوراس کے مقابلے میں ہر شخص کی بات کو رد کردینا۔

۸: تمام صحابہ، ثقہ وصدوق تابعین، تبع تابعین واتباع تبع تابعین اور تمام ثقہ وصدوق صحیح العقیدہ محدثین سے محبت کرنا۔ وغیر ذلک

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

''**صاحب الحديث عندنا من يستعمل الحديث**'' ہمارے نزدیک صاحبِ حدیث وہ ہے جو حدیث پر عمل کرے۔ (الجامع للخطیب: ۱۸۶، وسندہ صحیح)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''**ونحن لا نعني بأهل الحديث المقتصرين على سماعه أو كتابته أو روايته بل نعني بهم: كل من كان أحق بحفظه ومعرفته وفهمه ظاهرًا وباطنًا. واتباعه باطنًا و ظاهرًا.**''

اور ہم اہلِ حدیث سے مراد صرف سامعینِ حدیث، کاتبینِ حدیث یا راویانِ حدیث ہی نہیں لیتے بلکہ ہم اُن سے ہر وہ شخص مراد لیتے ہیں جو اسے کما حقہ یاد رکھتا ہے، ظاہری و

باطنی معرفت وفہم رکھتا ہے، اور باطنی وظاہری اتباع کرتا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۴/ ۹۵)

حافظ ابن تیمیہ کے مذکورہ قول سے بھی اہلِ حدیث (کثرھم اللہ) کی دو قسمیں ثابت ہیں:

۱: عاملین بالحدیث محدثین کرام

۲: حدیث پر عمل کرنے والے عوام

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے:

اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ لوگوں میں سے فرقہ ناجیہ ہونے کا سب سے زیادہ مستحق اہل الحدیث والسنۃ ہیں، جن کا رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی متبوع (امام) نہیں جس کے لئے وہ تعصب رکھتے ہوں۔ (مجموع فتاویٰ ۳/ ۳۴۷)

حافظ ابن کثیر نے بعض سلف (صالحین) سے نقل کیا ہے کہ ''هذا أكبر شرف لأصحاب الحديث لأن إمامهم النبي ﷺ'' یہ (آیت: ۷۱، سورۃ بنی اسرائیل) اصحاب الحدیث کی سب سے بڑی فضیلت ہے، کیونکہ ان کے امام نبی ﷺ ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ۴/ ۱۶۴، الاسراء: ۷۱)

سیوطی نے بھی لکھا ہے: ''ليس لأهل الحديث منقبة أشرف من ذلك لأنه لا إمام لهم غيره ﷺ'' اہلِ حدیث کے لئے اس سے زیادہ فضیلت والی کوئی بات نہیں، کیونکہ ان کا آپ ﷺ کے علاوہ دوسرا کوئی امام (متبوع) نہیں۔ (تدریب الراوی ۲/ ۱۲۶ نوع: ۲۷)

امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور امام علی بن المدینی وغیرہم (رحمہم اللہ) نے اہل الحدیث کو طائفہ منصورہ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: ۲ وصححہ ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری ۱۳/ ۲۹۳ تحت ح ۷۳۱۱، مسألۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب ص ۴۷، سنن ترمذی مع عارضۃ الاحوزی ۹/ ۴۷ ح ۲۲۲۹)

امام بخاری وامام مسلم کے ثقہ استاذ امام احمد بن سنان الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا: دنیا میں ایسا کوئی بدعتی نہیں جو اہل الحدیث سے بغض نہیں رکھتا۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۴ وسندہ صحیح)

امام قتیبہ بن سعید الثقفی (متوفی ۲۴۰ھ بعمر ۹۰ سال) نے فرمایا: جب تُو کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ اہل الحدیث سے محبت کرتا ہے تو (سمجھ لے کہ) یہ شخص سنت پر ہے۔

(شرف اصحاب الحدیث للخطیب: ۱۴۳، وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات (ج ۱ ص ۱۶۱۔۱۷۴)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: (امام) مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابویعلیٰ اور بزار وغیرہم اہل الحدیث کے مذہب پر تھے، وہ علماء میں سے کسی متعین کے مقلد نہیں تھے... (مجموع فتاویٰ ۲۰/۴۰، تحقیقی مقالات ۱/ ۱۶۸)

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اہلِ حدیث سے مراد دو گروہ ہیں:

۱: صحیح العقیدہ اور تقلید نہ کرنے والے سلف صالحین ومحدثین کرام

۲: سلف صالحین اور محدثین کرام کے صحیح العقیدہ اور تقلید نہ کرنے والے عوام

راقم الحروف نے اپنے ایک تحقیقی مضمون میں سو سے زیادہ علمائے اسلام کے حوالے پیش کئے ہیں، جو تقلید نہیں کرتے تھے اور ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن سعید القطان، امام عبداللہ بن المبارک، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود السجستانی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام نسائی، امام ابوبکر بن ابی شیبہ، امام ابوداود الطیالسی، امام عبداللہ بن الزبیر الحمیدی، امام ابوعبید القاسم بن سلام، امام سعید بن منصور، امام بقی بن مخلد، امام مسدد، امام ابویعلیٰ الموصلی، امام ابن خزیمہ، امام ذہلی، امام اسحاق بن راہویہ، محدث بزار، محدث ابن المنذر، امام ابن جریر الطبری اور امام سلطان یعقوب بن یوسف المراکشی المجاہد وغیرہم۔ رحمہم اللہ اجمعین

یہ سب اہلِ حدیث علماء صدیوں پہلے رُوئے زمین پر گزر چکے ہیں۔

ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی نے شام، جزیرہ، آذربائیجان اور باب الابواب وغیرہ کی سرحدوں پر رہنے والوں کے بارے میں فرمایا:

وہ تمام اہلِ سنت میں سے اہلِ حدیث کے مذہب پر ہیں۔ (اصول الدین ص ۳۱۷)

ابوعبداللہ محمد بن احمد بن البناء البشاری المقدسی (متوفی ۳۸۰ھ) نے ملتان کے بارے میں فرمایا: ''مذاهبهم أكثرهم أصحاب حديث''

ان کے مذاہب: ان میں اکثریت اہلِ حدیث ہے۔ (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۳۶۳)

فرقۂ دیوبندیہ کا آغاز ۱۸۶۷ء میں مدرسۂ دیوبند کی ابتدا کے ساتھ ہوا اور فرقۂ بریلویہ کے بانی احمد رضا خان بریلوی جون ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔

۱: فرقۂ دیوبندیہ اور فرقۂ بریلویہ دونوں کی پیدائش سے بہت پہلے شیخ محمد فاخر بن محمد یحییٰ بن محمد امین العباسی السّلفی الٰہ آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء) تقلید نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کتاب وسنت کے دلائل پر عمل کرتے اور خود اجتہاد کرتے تھے۔

(دیکھئے نزہۃ الخواطر ۶/۳۵۱ ت ۶/۳۵۱، تحقیقی مقالات ۲/۵۸)

۲: شیخ محمد حیات بن ابراہیم السندھی المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء) تقلید نہیں کرتے تھے اور عمل بالحدیث کے قائل تھے۔

ماسٹر امین اوکاڑوی نے محمد حیات سندھی، محمد فاخر الٰہ آبادی اور مبارکپوری تینوں کے بارے میں لکھا ہے: ''ان تین غیر مقلدوں کے علاوہ کسی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نے اسکو سہو کاتب بھی نہیں کہا۔'' (تجلیاتِ صفدر ۲/۲۴۳، نیز دیکھئے تجلیات صفدر ۵/۳۵۵)

۳: ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندھی الکبیر رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۴۱ھ بمطابق ۱۷۲۹ء) کے بارے میں امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''حالانکہ یہ ابوالحسن سندھی غیر مقلد تھا...''

(تجلیاتِ صفدر ۶/۴۴)

یہ سب حوالے ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے سے بہت پہلے کے ہیں، لہٰذا آپ نے جن لوگوں سے یہ سنا ہے کہ ''اہلِ حدیث حضرات انگریزوں کے دور میں شروع ہوئے ہیں پہلے ان لوگوں کا نام ونشان نہیں تھا'' بالکل جھوٹ اور افتراء ہے۔

رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے: ''تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں اہلِ حق میں فروعی اور جزئی مسائل کے حل کرنے میں اختلافِ انظار کے پیشِ نظر پانچ مکاتبِ فکر قائم ہوگئے یعنی مذاہب اربعہ اور اہلِ حدیث۔ اس زمانے سے لیکر آج تک انہی پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا۔'' (احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱۶)

اس عبارت میں لدھیانوی صاحب نے اہلِ حدیث کا قدیم ہونا، انگریزوں کے دور سے بہت پہلے ہونا اور اہلِ حق ہونا تسلیم کیا ہے۔

حاجی امداد اللہ مکی کے ''خلیفۂ مجاز'' محمد انوار اللہ فاروقی ''فضیلت جنگ'' نے لکھا ہے:

''حالانکہ اہل حدیث کل صحابہ تھے''

(حقیقۃ الفقہ حصہ دوم ص ۲۲۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی نے لکھا ہے: ''اہل حدیث تو تمام صحابہ تھے''

(اجتہاد اور تقلید کی بے مثال تحقیق ص ۴۸)

میری طرف سے تمام آلِ دیوبند اور تمام آلِ بریلی سے سوال ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی (یعنی ہندوستان پر انگریزی قبضے کے دور) سے پہلے کیا دیوبندی مسلک یا بریلوی مسلک کا آدمی موجود تھا؟ اگر تھا تو صحیح اور صریح صرف ایک حوالہ پیش کریں اور اگر نہیں تھا تو ثابت ہو گیا کہ بریلوی مذہب اور دیوبندی مذہب دونوں، ہندوستان پر انگریزی قبضے کے بعد کی پیداوار ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۴/ فروری ۲۰۱۲ء)

حوالے

۱: عینی حنفی نے لکھا ہے: '' قلت : یزید بن أبي زیاد ضعیف '' میں نے کہا: یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے۔ (نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار ۴/ ۳۷۷)

۲: عینی نے لکھا ہے: '' و إذا تعارض الوصل مع الارسال والرفع مع الوقف فالحکم عند أکثرھم للواصل والرافع لأنھما زادا والزیادۃ من الثقۃ مقبولۃ واللہ أعلم '' اور جب موصول و مرسل اور مرفوع و موقوف کے درمیان تعارض ہو تو اکثر (علماء) کے نزدیک، موصول اور مرفوع کو ترجیح حاصل ہے، کیونکہ انھوں نے زیادت بیان کی اور ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔ واللہ اعلم (نخب الافکار ۴/ ۱۶۷)

یاد رہے کہ مجہول محشی کا اس عبارت پر رد محشی کی اپنی رائے ہے۔ واللہ اعلم

محمد زبیر صادق آبادی

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث اور مسئلۂ منسوخیتِ رفع یدین

بعض آلِ دیوبند رکوع کے وقت رفع یدین کو منسوخ کہتے ہیں اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت یوں پیش کرتے ہیں:

"حضرت علقمہ سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز نہ پڑھاؤں؟ اس کے بعد انہوں نے نماز پڑھائی اور پہلی مرتبہ کے بعد کسی جگہ رفع یدین نہ کی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بہت سے اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا یہی مذہب ہے اور حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے (ترمذی ج ۱ ص ۳۵)" (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۳۵۳۔۳۵۴)

اس روایت کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: "یہ حدیث حسن ہے (ترمذی ج ۱ ص ۳۵) یہ حدیث صحیح ہے (محلی ابن حزم ج ۲ ص ۳۵۸)" (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۳۵۳)

جبکہ آلِ دیوبند نہ تو امام ترمذی کی تحسین کو مانتے ہیں، نہ تصحیح کو اور نہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے ان اقوال کو جو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں، مثلاً فاتحہ خلف الامام کی حدیث جس کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے حسن یا صحیح کہا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے توضیح الکلام ج ۱ ص ۲۲۲)

لیکن اس کے باوجود سرفراز صفدر دیوبندی کے نزدیک اس حدیث کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔ (دیکھئے احسن الکلام ج ۲ ص ۷۰)

محمود حسن دیوبندی نے کہا: "اور یہ روایت بھی اوّل تو ان کے مدعا پر نص نہیں۔ اور اگر اس سے بھی درگزر کریں تو قوی نہیں۔ اگرچہ ترمذی اس کو حسن کہتے ہیں۔" (تقاریر شیخ الہند ص ۶۸)

سعید احمد پالنپوری دیوبندی نے لکھا ہے: "خلاصہ یہ ہے کہ امام ترمذی کا حسن، حسن

سے فروتر ہے، معمولی ضعیف حدیث کو بھی امام ترمذی حسن کہتے ہیں۔"

(تسہیل ادلۂ کاملہ ص ۶۵)

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: "امام ترمذیؒ حدیث کی تصحیح وتحسین میں بڑے متساہل ہیں"

(الکلام المفید ص ۳۲۹)

سنن ترمذی کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے جرابوں پر مسح کیا۔

(ح ۹۹ وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح")

اس حدیث کے متعلق تقی عثمانی نے کہا: "اس حدیث کی تصحیح میں امام ترمذیؒ سے تسامح ہوا ہے" (درس ترمذی ج ۱ص ۳۳۶)

اسی حدیث کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: "امام ترمذیؒ اس بارے میں متساہل ہیں..." (تجلیات صفدر ج ۲ص ۱۷۶)

اسی طرح سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو انھوں نے دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بیان فرمائی تھی اور اس میں چار مقامات پر رفع یدین کا ثبوت بھی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن بھی کہا ہے اور صحیح بھی کہا ہے۔

دیکھئے سنن ترمذی (ج ۱ص ۶۷ ح ۳۰۴)

لیکن اس کے باوجود ماسٹر امین اوکاڑوی نے اس حدیث کو ضعیف کہا۔

دیکھئے تجلیات صفدر (ج ۲ص ۲۹۷)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ آلِ دیوبند کے نزدیک امام ترمذی رحمہ اللہ کا کسی حدیث کو صحیح یا حسن کہنا آلِ دیوبند کے نزدیک کوئی حجت نہیں اور اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ کا بلا سند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قول بھی آلِ دیوبند کے نزدیک کوئی حجت نہیں، مثلاً امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"حدیث عبادہ کی حسن ہے اور روایت کی یہ حدیث زہری نے محمود بن ربیع سے انھوں نے عبادہ بن صامت سے انھوں نے نبی ﷺ سے کہ فرمایا آپ نے اس کی تو نماز ہی نہیں ہوتی

جو نہ پڑھے سورۂ فاتحہ اور یہ روایت بہت صحیح ہے اور اسی پر عمل ہے امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کے باب میں اکثر علمائے صحابہ اور تابعین کا اور یہی قول ہے مالک بن انس اور ابن مبارک اور شافعی اور احمد اور اسحاق کا کہتے ہیں پڑھ لے امام کے پیچھے''

(ترمذی مترجم بدیع الزمان ج ۱ ص ۱۵۴، درسی نسخہ مع العرف الشذی ج ۱ ص ۷۰۔۷۱ ح ۳۱۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کو آلِ دیوبند ماننے کے لئے قطعاً تیار نہیں اور اسی طرح نماز جنازہ کی تکبیرات میں رفع یدین کے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''اکثر اہل علم صحابہ کرام اور دیگر حضرات کا یہی خیال ہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنی چاہیے۔''

(ترمذی ج ۱ ص ۶۴۴ مترجم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ، درسی نسخہ مع العرف الشذی ۲۰۶/۱ ح ۱۰۷۷)

لیکن آلِ دیوبند امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ بات بھی تسلیم نہیں کرتے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ اور امام المحدثین سیدنا امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ترک رفع یدین کا علم نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (ثابت) ہے اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا۔''

(جزء رفع یدین مترجم حافظ علی زئی حفظہ اللہ ص ۶۴، جزء رفع یدین مترجم اوکاڑوی ص ۳۰۴)

آلِ دیوبند امام بخاری رحمہ اللہ کی اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''اسی طرح امام بخاریؒ نے نہ کسی صحابی کا زمانہ پایا اور نہ تابعین میں سے کسی کا۔ اس لئے صحابہؓ اور تابعینؒ کے بارے میں آپؒ کی بے سند رائے قابل قبول نہیں۔'' (جزء رفع یدین مترجم امین اوکاڑوی ص ۳۰۷)

آلِ دیوبند کے نزدیک جب امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے قابلِ قبول نہیں تو امام ترمذی رحمہ اللہ کی رائے کیونکر قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ سے پہلے کسی محدث نے بھی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کو حسن یا صحیح نہیں کہا بلکہ محدثین کی اکثریت نے اس روایت کو ضعیف یا

معلول قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے نور العینین (ص ۱۳۰، طبع جدید)
ماسٹر امین اوکاڑوی نے ابن حزم کے حوالہ سے لکھا ہے: ''یہ حدیث صحیح ہے''

(تجلیات ج ۲ ص ۲۵۴)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے ایک اور جگہ لکھا ہے: ''کسی امتی کی رائے سے کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا اہل رائے کا کام ہے نہ کہ اہل حدیث کا۔ اور یہ تقلید ہے...''

(تجلیات صفدر ج ۷ ص ۱۷۱)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے خود اپنے ہی اصول کے مطابق حافظ ابن حزم کی تقلید کی ہے اور ابن حزم کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے علانیہ کہا تھا: ''ابن حزم جھوٹا ہے۔''

(فتوحات صفدر ج ۲ ص ۶۴)

ابن حزم کے متعلق سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''.... متعدد معلومات افزا کتابیں لکھ کر بہت بڑی دینی خدمت کی ہے جو رہتی دنیا تک یاد رہیگی، ان کا علم بڑا طویل اور عریض تو تھا مگر صد افسوس ہے کہ ظاہریت کی وجہ سے عمیق نہ تھا اور بعض اصولی اور فروعی مسائل میں انہوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں اور علماء ربانی نے ان کا بعض مسائل میں خوب تعاقب کیا ہے...''

(تسکین الصدور ص ۱۱۵)

محدثین کی اکثریت نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کو ضعیف کہا ہے اور ان محدثین کے مقابلے میں آلِ دیوبند کا ابن حزم کی بات کو قبول کرنا بڑا عجیب وغریب ہے، کیونکہ وہ ابن حزم کو جھوٹا بھی کہتے ہیں اور محدث بھی کہتے ہیں۔
ابن حزم کی تحقیق میں امام ابوحنیفہ نماز جنازہ کی تکبیروں میں رفع یدین کے قائل تھے، اس لئے ابن حزم نے امام ابوحنیفہ کے متعلق کہا: ''حیرت ہے جہاں نماز میں رفع یدین ثابت ہے وہاں انکار کرتے ہیں اور جہاں ثابت نہیں وہاں کرتے ہیں''

(حدیث اور اہل تقلید ج ۲ ص ۶۴۳)

ابن حزم رفع یدین کو منسوخ ہرگز نہیں سمجھتے تھے بلکہ رفع یدین کرنے کے بھی قائل

تھے۔ دیکھئے محلیٰ (ج ۴ ص ۸۷۔۸۸ مسئلہ ۴۴۲)

اس روایت (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث) کی سند میں ایک راوی سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں اور وہ مدلس تھے جیسا کہ آلِ دیوبند کے مشہور امام بدرالدین عینی حنفی نے لکھا ہے: ''و سفیان من المدلسین والمدلس لا یحتج بعنعنته إلا أن یثبت سماعه من طریق آخر'' اور سفیان مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی، الا یہ کہ اس کے سماع کی تصریح دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۲ تحت حدیث ۲۱۴)

اس کے علاوہ بہت سے محدثین بلکہ آلِ دیوبند اور ان کے اکابر نے بھی سفیان ثوری کا مدلس ہونا تسلیم کیا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے نور العینین (طبع جدید ص ۱۳۴۔۱۳۵، ۲۱۶، ۲۲۸، ۲۸۸)

اصولِ حدیث سے بعض ناواقف لوگ اس اعتراض کے جواب میں مدلس راوی کی توثیق بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی مدلس راوی ہیں تو کیا وہ روایات بھی ضعیف ہیں؟

جبکہ اصولِ حدیث کی رو سے راوی کے مدلس ثابت ہو جانے کے بعد، اس راوی کی صرف توثیق ہی نہیں بلکہ سند میں سماع کی صراحت یا ثقہ راوی کی متابعت کی ضرورت ہوتی ہے، جیسا کہ احناف کے علامہ بدرالدین عینی حنفی کی عبارت سے واضح ہے۔

آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے کہا ہے: ''مدلس راوی عَن سے بیان کرے تو وہ حجت نہیں اِلاّ یہ کہ وہ تحدیث کرے یا اس کا کوئی ثقہ متابع ہو مگر یاد رہے کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں۔ وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔ (مقدمہ نووی ص ۱۸، فتح المغیث ص ۷۷ و تدریب الراوی ص ۱۴۴)'' (خزائن السنن ج ۱ ص ۱)

عبدالقدوس قارن دیوبندی نے لکھا ہے: ''محدثین کرامؒ کا متفقہ نظریہ کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں [illegible]

ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''حالانکہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں بلکہ سماع پر محمول ہوتی ہے (نووی شرح مسلم ص 18)'' (تجلیات صفدر ج ۳ ص ۶۳۶)

تنبیہ: اگر آلِ دیوبند کے نزدیک سفیان ثوری کی تدلیس طبقۂ ثانیہ کی وجہ سے مضر نہیں ہے تو پھر اسی طبقہ کے مدلس سفیان بن عیینہ کی تدلیس بھی مضر نہیں ہونی چاہئے۔

سفیان بن عیینہ نے ایک حدیث ''**عن جامع بن أبي راشد عن أبي وائل قال حذيفة ... أن رسول الله ﷺ قال: لا اعتكاف إلا في المساجد الثلاثة: المسجد الحرام و مسجد النبي ﷺ و مسجد بيت المقدس ...**''

بیان کی ہے، جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ اعتکاف نہیں ہوتا: مسجدِ حرام، مسجد نبوی ﷺ اور مسجد اقصیٰ: بیت المقدس۔ (دیکھئے شرح مشکل الآثار للطحاوی ۷/۲۰۱ ح ۲۷۷۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۳۱۶، سیر اعلام النبلاء للذہبی ۱۵/۸۱ وقال الذہبی: ''صحیح غریب عال'' المعجم الاسماعیلی: ۳۲۶)

سفیان بن عیینہ سے اسے تین راویوں: محمود بن آدم المروزی، ہشام بن عمار اور محمد بن الفرج نے روایت کیا ہے اور یہ سب صدوق (سچے راوی) تھے۔

جامع بن ابی راشد ثقہ فاضل تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۸۸۷ وھو من رجال الستۃ)

ابووائل شقیق بن سلمہ ثقہ تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۸۱۶ وھو من رجال الستۃ ومن المخضرمین)

یہ روایت سفیان بن عیینہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جو لوگ سفیان بن عیینہ کے عنعنہ کو صحیح سمجھتے ہیں یا حافظ ابن حجر کے طبقۂ ثانیہ میں مذکورین کی معنعن روایات کی حجیت کے قائل ہیں، انھیں چاہئے کہ وہ تین مساجد مذکورہ کے علاوہ ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہونے کا انکار کردیں۔ دیدہ باید!

جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں (سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ) طبقہ ثانیہ کے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے۔ دیکھئے الفتح المبین (ص ۴۰)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب زیر بحث روایت کی سند میں ایک

راوی عاصم بن کلیب ہے اور آلِ دیوبند کے مشہور مناظر عبدالستار تونسوی نے علانیہ کہا:

"ابوبکر بن عیاش کے علاوہ اس روایت میں ایک راوی عاصم ہے۔ میزان الاعتدال میں ابن عُلَیّہ اور یحییٰ بن قطان کا یہ قول ہے کہ عاصم نام کے جتنے راوی ہیں ان کا حافظہ خراب ہے۔" (بے نظیر ولا جواب مناظرہ ص ۷۶۔۷۷)

عاصم بن کلیب پر جرح مردود ہے اور یہ جرح الزامی طور پر نقل کی گئی ہے تا کہ ایسے دیوبندیوں کو آئینہ دکھایا جائے جو راوی پر جرح و تعدیل اور حدیث کی تصحیح و تضعیف کے معاملے میں علامہ البانی وغیرہ کے ایسے اقوال پیش کرتے ہیں جو جمہور محدثین کے فیصلوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب زیرِ بحث روایت کو جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے اور آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے لکھا ہے: "بلاشک امام محمد بن عابدین شامیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) کا مقام فقہ میں بہت اونچا ہے لیکن فن حدیث اور روایت میں محدثین ہی کی بات قابل قبول ہوتی ہے جو جرح و تعدیل کے مسلم امام ہیں" (باب جنت ص ۶۵)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب زیرِ بحث روایت کے صحیح ہونے پر محدثین کا اتفاق نہیں، جبکہ رفع یدین کی احادیث بخاری و مسلم میں موجود ہیں جن کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔ آلِ دیوبند کے "شیخ الاسلام مفتی" تقی عثمانی نے کہا ہے:

"اور ناسخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوت کے اعتبار سے منسوخ کے برابر ہو یا بڑھکر ہو،"

(درس ترمذی جلد ا ص ۱۹۴)

امام ترمذی اور علامہ ابن حزم کا مقام آلِ دیوبند کے نزدیک کیا ہے، آپ دیکھ چکے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی تسلیم شدہ مستند محدث نے اس روایت کو صراحت کے ساتھ حسن یا صحیح نہیں کہا بلکہ ضعیف کہا ہے اور ماضی قریب یا موجودہ دور کے علمائے اہلِ حدیث تو کیا علمائے احناف کا بھی کسی حدیث کو صحیح کہنا آلِ دیوبند کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آلِ دیوبند کے علامہ عبدالحیٔ لکھنوی نے ایک ایسی حدیث کو جو آلِ دیوبند کی طبیعت کے خلاف تھی صحیح

کہہ دیا تھا تو اس کے جواب میں امجد سعید دیوبندی نے اپنے امام سرفراز صفدر کا قول یوں نقل کیا ہے:

''ان اکابر کا اس حدیث کو صحیح، حسن، جید او قوی کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا'' (سیف حنفی ص ۱۵۲)

مذکورہ تفصیل کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت اگر واقعتاً ان سے (بفرضِ محال) ثابت بھی ہوتی تو کیا رکوع کے وقت رفع یدین کرنا اس روایت سے منسوخ بھی ثابت ہوتا یا نہیں۔؟!

دیوبندیوں اور بریلویوں کے پیرِ طریقت ابن عربی صوفی نے لکھا ہے: ''یعنی ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) اور براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے مروی روایات کا زیادہ سے زیادہ یہ مفہوم ہے کہ آپ علیہ السلام تکبیر تحریمہ کے وقت ایک بار رفع الیدین کرتے ایک سے زیادہ بار نہ کرتے یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت ایک بار ہی رفع الیدین کرتے دوبارہ نہ کرتے تھے۔''

(الفتوحات المکیہ ج ۱ ص ۵۳۷ باب ۶۹ طبع دار احیاء التراث ۱۹۹۸ء بحوالہ حدیث اور اہل تقلید ج ۱ ص ۷۲۵)

مولانا محمد داود ارشد حفظہ اللہ نے لکھا ہے: ''اور مؤلف حدیث اور اہل حدیث (انوار خورشید دیوبندی) تو ابن عربی وغیرہ کے خلاف بات کرنے پر موت آنے کا قائل ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے ابن عربی وغیرہ کے خلاف ایک کتاب تحریر کی تھی، اب اگلی داستان خود انوار صاحب کی زبانی ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں۔ تصوف اور صوفیا کرام سے آپ کو نفرت تھی، چنانچہ آپ نے وفات سے چند روز پہلے تصوف اور صوفیاء کے خلاف عربی میں کتاب لکھی، التصوف منشاء و مصدرہ، اور اس کے چند روز بعد ہی ارشاد خداوندی ''جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو اس سے میرا اعلان جنگ ہے'' کا شکار ہو گئے (مقدمہ رسائل اہل حدیث ص ۶۴ حصہ اول)''

(حدیث اور اہل تقلید ج ۱ ص ۷۰۹)

اور اگر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کا (بفرضِ محال) یہ مطلب بھی لیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوری نماز میں صرف ایک دفعہ رفع یدین کرتے تھے تو

رفع یدین کی احادیث کے ثبوت کی موجودگی میں اس میں منسوخیت والی کون سی بات ہے۔؟
ہاں! اگر اس روایت کے الفاظ یہ ہوتے کہ نبی ﷺ پہلے رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے، پھر منع کر دیا تو یہ روایت منسوخیت کی دلیل بن سکتی تھی جیسا کہ تطبیق (یعنی رکوع کے وقت دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے درمیان رکھنے) کے متعلق سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم پہلے تطبیق کرتے تھے، پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا گیا، تفصیل آگے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ

وضو کے متعلق تین طرح کی صحیح احادیث موجود ہیں۔

ایک حدیث میں اعضاء وضو کو صرف ایک بار دھونے کا ثبوت ہے اور دوسری حدیث میں صرف دو دو بار دھونے کا ثبوت ہے اور تیسری حدیث میں تین تین بار دھونے کا ذکر ہے۔ دیکھئے تفہیم البخاری (ج ۱ ص ۱۳۴، صحیح بخاری مترجم ظہور الباری)

صحیح بخاری کی ان احادیث کی شرح میں ظہور الباری اعظمی دیوبندی نے لکھا ہے:

"یہ بیان جواز ہے یعنی اگر ایک ایک بار اعضاء کو دھولیا جائے تو وضو پورا ہو جاتا ہے اگرچہ سنت پر عمل کرنے کا ثواب نہیں ہوتا جو تین تین دفعہ دھونے سے ہوتا ہے۔ دو دو بار دھونے سے بھی وضو ہو جاتا ہے اگرچہ سنت ادا نہیں ہوتی۔" (تفہیم البخاری ۱/۱۳۴)

اب اگر کوئی شخص صرف ایک دفعہ اعضاء دھونے والی حدیث پیش کر کے دو دفعہ اور تین دفعہ اعضاء دھونے والی احادیث کو منسوخ کہنا شروع کر دے اور یہ شور مچانا شروع کر دے کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے تو سب سے پہلے تین دفعہ اعضاء دھونے والی حدیث بیان کی ہے، پھر دو دفعہ والی، پھر ایک دفعہ والی، لہٰذا تین دفعہ اور دو دفعہ اعضاء دھونے والی حدیث منسوخ ہے تو آلِ دیوبند بھی اس کی بات کو غلط کہیں گے۔ بالکل اسی طرح جن احادیث میں تین یا چار مقامات پر رفع یدین کا ذکر ہے، ان کے مقابلے میں ایک دفعہ رفع یدین والی ضعیف روایت پیش کر کے تین یا چار مقامات پر رفع یدین کی احادیث کو منسوخ کہنا بھی غلط ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے کہا ہے: ''فقہاء احناف میں جن لوگوں نے رفع یدین پر کراہت کی کوئی بات کہی ہے وہ بیجا تشدد پر مبنی ہے اور اکابر دیوبند کے ذوق اعتدال کے منافی ہے۔''

(غیر مقلدین کیا ہیں؟ جلد ۱ ص ۵۵۵)

۲: آلِ دیوبند کے ''شیخ الاسلام'' محمد تقی عثمانی نے بھی رفع یدین کی منسوخیت کا انکار کیا ہے۔ (دیکھئے تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۵۸)

تقی عثمانی نے مزید کہا: ''رفع اور ترک رفع دونوں ثابت اور جائز ہیں۔''

(درس ترمذی جلد ۲ ص ۳۸)

۳: آلِ دیوبند کے ''مفسر قرآن'' صوفی عبدالحمید سواتی نے لکھا ہے: ''رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنا زیادہ بہتر اور اگر کرلے تو جائز ہے۔''

(نماز مسنون ص ۳۴۹)

۴: آلِ دیوبند کے مشہور مناظر محمد منظور نعمانی نے رفع یدین کے متعلق لکھا ہے: ''آئمہ مجتہدین کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت کا ہے، دونوں طریقوں کے جائز اور ثابت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔'' (معارف الحدیث جلد ۳ ص ۲۶۵)

منظور نعمانی صاحب نے مزید لکھا ہے: ''رفع اور ترک رفع کا جواز سب کے نزدیک مسلم ہے۔'' (معارف الحدیث جلد ۳ ص ۲۶۹)

۵: آلِ دیوبند کے ''شیخ الحدیث اور شیخ الہند'' محمود حسن دیوبندی نے رفع یدین کے متعلق کہا: ''ہم کہتے ہیں کہ جواز میں تو کسی کو کلام نہیں۔ فقط استحباب میں گفتگو ہے۔''

(تقاریر شیخ الہند ص ۶۶)

۶: آلِ دیوبند کے ''مفتی'' محمد یوسف لدھیانوی نے رفع یدین کے متعلق لکھا ہے:

''ان مسائل میں باتفاق امت دونوں صورتیں جائز ہیں''

(اختلاف امت اور صراطِ مستقیم جلد ۲ ص ۱۶، دوسرا نسخہ حصہ دوم ص ۱۴، تیسرا نسخہ ص ۲۷۲)

دونوں جائز ہیں۔" (اختلاف امت اور صراطِ مستقیم ص ۷۱ جلد ۲، دوسرا نسخہ حصہ دوم ص ۱۵، تیسرا نسخہ ص ۲۷۳)

۷: انور شاہ کشمیری نے فرمایا: "یہ جاننا چاہئے کہ رفع یدین بلحاظ سند و عمل متواتر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں اور رفع یدین منسوخ نہیں ہوا۔"

(نیل الفرقدین ص ۲۲، بحوالہ نور العینین ص ۳۲۴ طبع جدید)

۸: رفع یدین کے بارے میں دیوبندیوں کے مسلّم بزرگ شاہ ولی اللہ کا حوالہ امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: " والحق عندی فی مثل ذالك ان الكل سنة کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں سنت ہیں۔" (تجلیات صفدر ۲/ ۳۵۱، حجۃ اللہ البالغہ اردو ۱/ ۳۶۱، عربی ۲/ ۱۰)

اوکاڑوی نے ان کے متعلق مزید لکھا ہے: "ان کی رائے یہ ہے کہ رفع یدین کرنے والا مجھے زیادہ پسند ہے نہ کرنے والے سے" (تجلیات صفدر ۲/ ۳۵۱، حجۃ اللہ البالغہ اردو ۱/ ۳۶۱، عربی ۲/ ۱۰)

۹: اشرف علی تھانوی دیوبندی نے بھی کہا: "رفع الیدین بھی جائز ہے۔"

(ملفوظات حکیم الامت ۲۶/ ۱۷۱)

تھانوی صاحب سے سوال کیا گیا:

"سوال (208) رفع یدین فی الصلاۃ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب: جائز ہے جیسا کہ عدم رفع بھی جائز ہے" (امداد الفتاوی ۱/ ۱۴۸)

۱۰: تھانوی صاحب نے شاہ عبدالقادر کے متعلق کہا: "حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ان سے فرمایا کہ جہر آمین اور رفع یدین بلاشبہ سنت سے ثابت ہیں اور بہت سے ائمہ مجتہدین کا اس پر عمل ہے۔ اگر اس پر کوئی عمل کرے تو فی نفسہ کوئی مضائقہ نہیں" (ملفوظات حکیم الامت ۲۲/ ۶۹)

۱۱: عبدالحیٔ حنفی جن کو امین اوکاڑوی اور صوفی عبدالحمید سواتی نے استاذ العلماء کہا (دیکھئے تجلیات صفدر ۳/ ۳۵۱، نماز مسنون ص ۳۰۴) نے بھی دعویٔ منسوخیت کو بے دلیل قرار دیا۔

(دیکھئے التعلیق الممجد ص ۹۱)

۱۲: علامہ ابوالحسن نے رفع یدین کے منسوخ ہونے کا انکار کیا۔

(دیکھئے شرح سنن ابن ماجہ ۱/ ۲۸۲ تحت حدیث ۸۵۸)

۱۳: بدر عالم میرٹھی نے بھی یہی کہا کہ رفع یدین منسوخ نہیں۔ (البدر الساری ۲/۲۵۵)

۱۴: رشید احمد گنگوہی دیوبندی نے لکھا ہے: ''آمین بالجہر اور قرات خلف الامام رفع یدین یہ امور سب خلاف بین الائمہ ہیں اور اگر کوئی شخص ہوائے نفسانی اور ضد سے خالی ہو کر محض محبت سنت کی وجہ سے یہ امور کرتا ہو تو اس پر کوئی طعن و تشنیع اور الزام دہی درست نہیں ہے''

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۵۱، تالیفات رشیدیہ ص ۲۸۱)

گنگوہی نے یہ بھی کہا: ''کہ (اتنے) سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔'' (ارواح ثلاثہ ص ۳۰۸ حکایت نمبر ۳۰۷)

۱۵: سرفراز صفدر دیوبندی کے پوتے عمار خان ناصر کے رسالہ ماہنامہ الشریعہ میں مفتی مظہر بقا دیوبندی کی کتاب ''حیات بقا'' سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس کے مطابق مفتی مظہر بقا صاحب نے لکھا ہے: ''رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین چونکہ صحیح اور قوی احادیث سے ثابت ہے، اس لیے کبھی کبھی رفع یدین کر لیتا ہوں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مرتبہ اپنی نجی مجلس میں حاضرین سے فرمایا تھا: کبھی کبھی رفع یدین بھی کر لیا کرو، کیونکہ اگر قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرما لیا کہ تم تک میری یہ سنت بھی تو صحیح طریقہ پر پہنچی تھی، تم نے اس پر کیوں عمل نہ کیا تو کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔'' (ماہنامہ الشریعہ نومبر ۲۰۰۵ء ص ۲۲)

تنبیہ: ماہنامہ الشریعہ نومبر ۲۰۰۵ء انٹرنیٹ پر بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

WWW.ALSHARIA.ORG

قارئین کرام! آپ نے دیوبندی علماء کے حوالے ملاحظہ فرما لئے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ جو عمل منسوخ ہو وہ جائز نہیں ہوتا۔ دیکھئے نماز میں باتیں کرنا منسوخ ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرنا بہتر ہے اگر کوئی کر لے تو جائز ہے؟ اسی طرح بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا منسوخ ہے، تو کیا کوئی دیوبندی یہ کہہ سکتا ہے کہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا بہتر اور بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز

پڑھنا بھی جائز ہے؟!

اگر رکوع کے وقت رفع یدین کرنے سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کی مخالفت ہوتی ہے تو نماز عیدین اور نماز وتر میں دیوبندی اور بریلوی بھی ایک سے زیادہ دفعہ رفع یدین کر کے اس ضعیف حدیث کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ اس ضعیف حدیث میں کسی بھی نماز کا نام نہیں اور یہ حدیث اگر عام ہے تو آلِ دیوبند کے مفتی محمد یوسف لدھیانوی نے لکھا ہے: ''یہ مسلمہ اصول ہے کہ خاص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے'' (اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص ۱۲۸، دوسرا نسخہ ص ۹۳)

مثال کے طور پر اگر آلِ دیوبند سے پوچھا جائے کہ نبی ﷺ نماز میں ہاتھ کہاں باندھتے تھے؟ تو آلِ دیوبند فوراً کہیں گے: ناف کے نیچے اور اپنے اس دعویٰ پر وہ جو بھی ضعیف، موضوع اور من گھڑت روایات پیش کرتے ہیں، کسی میں بھی نماز عیدین اور نماز وتر کا ذکر نہیں لیکن پھر بھی ان روایات کو نماز عیدین اور نماز وتر کے متعلق بھی سمجھتے ہیں، آخر کیا وجہ ہے کہ آلِ دیوبند اور آلِ بریلی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کو نماز عیدین اور نماز وتر کے متعلق نہیں سمجھتے؟!

اس کے جواب میں بعض آلِ دیوبند کہتے ہیں کہ نمازِ وتر کی تیسری رکعت میں رفع یدین کرنا خود سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور نماز عیدین کی زائد تکبیرات میں رفع یدین کرنے پر اجماع ہے۔ لیکن آلِ دیوبند کی یہ دونوں ہی باتیں خود ان کے اصولوں کے مطابق غلط ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نماز وتر میں رفع یدین کرنے کی جو روایت آلِ دیوبند پیش کرتے ہیں، اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے اور آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر دیوبندی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیثؒ بن ابی سلیمؒ ہے امام دارقطنی (جلد ا ص ۱۲۶ میں) امام بیہقیؒ (کتاب القراۃ ص ۱۰۷ میں) اور امام احمدؒ، امام یحییٰ اور امام نسائیؒ وغیرہ سب اس کو ضعیف اور کمزور کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۲۶۰، تہذیب

التہذیب جلد۸ص ۴۶۷، قانون الموضوعات ص ۲۸۷)''

(احسن الکلام جلد۲ص ۱۲۸، دوسرا نسخہ ص ۱۴۰)

لیث بن ابی سلیم کو امین اوکاڑوی دیوبندی نے بھی ضعیف کہا۔ دیکھئے تجلیات صفدر (۵۹/۵)

فقیر اللہ دیوبندی نے بھی لیث بن ابی سلیم کو ضعیف ثابت کیا۔ (دیکھئے خاتمۃ الکلام ص ۱۰۱)

تقی عثمانی دیوبندی نے بھی لیث بن ابی سلیم کو متکلم فیہ کہا۔ (دیکھئے درس ترمذی ۲۳۳/۱)

آل دیوبند کے امام زیلعی حنفی نے بھی لیث بن ابی سلیم کو ضعیف کہا۔

(دیکھئے نصب الرایہ جلد۳ص ۹۶ سطر آخری)

بدرالدین عینی حنفی نے بھی لیث بن ابی سلیم کو ضعیف کہا۔ (عمدۃ القاری ۴۹۵/۱)

علامہ سیوطی نے لکھا ہے: ''فإن لیث بن أبي سلیم متفق علی ضعفه''

لیث بن ابی سلیم کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ (الحاوی للفتاوی للسیوطی ۲/ ۷۔۸)

دوسری بات یہ ہے کہ اس ضعیف اثر میں بھی ہاتھ اٹھانے سے دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا مراد ہے۔

حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا ہے: ''لیث بن ابی سلیم، جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، وہ آخری عمر میں بدحافظہ بھی ہو گیا تھا اور اس پر تدلیس کا الزام بھی ہے۔ تاریخ یحیٰی بن معین (۴۱۰۲ روایۃ الدوری) میں اس روایت میں یہ صراحت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے سینے تک دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے (یعنی اس رفع یدین سے مراد دعا والا رفع یدین ہے)'' (جزء رفع الیدین مترجم ص ۱۰۰ حاشیہ)

نماز عیدین کی زائد تکبیرات میں رفع یدین کے متعلق اجماع کا دعویٰ بھی غلط ہے۔

آل دیوبند کے نزدیک ''انتہائی معتبر امام'' محمد بن حسن بن فرقد شیبانی نے اپنی کتاب، کتاب الاصل کے صفحہ ۳۷۴۔۳۷۵ (جلد ۱) پر نماز عیدین کی زائد تکبیرات کے وقت رفع یدین کا انکار کیا ہے۔'' مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الاوسط لابن منذر (جلد۴ص ۲۸۲)

آل دیوبند کے فخر المحدثین فخر الدین احمد نے لکھا ہے: ''رہا تکبیرات عیدین کا معاملہ

تو اول تو یہ اختلافی مسئلہ ہے، امام ابو یوسف کے یہاں رفع یدین نہیں ہے"

(غیر مقلدین کیا ہیں؟ ص ۵۵۱ جلد ۱، نیز دیکھئے اشرف الہدایہ ۲/ ۳۸۳)

تو پھر یہ کیسا اجماع ہے جس سے آلِ دیوبند کے صاحبین ہی خارج ہیں۔؟!

بلکہ امین اوکاڑوی نے تو یہاں تک لکھا ہے: "چنانچہ شامی میں ہی ہے کہ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام حسنؒ، امام زفرؒ سب نے بڑی مضبوط قسمیں کھا کر بیان کیا کہ ہمارا ہر قول امام صاحبؒ سے ہی منقول ہے۔" (تجلیات صفدر ۶/ ۱۵۹)

کیا اختلاف کو اجماع کہا جا سکتا ہے؟ جبکہ ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

"اجماع امت کا مخالف بنص کتاب و سنت دوزخی ہے۔" (تجلیات صفدر ۱/ ۲۸۷)

اوکاڑوی نے مزید لکھا ہے: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجماعی فیصلوں سے انحراف کرنے والے کو شیطان اور دوزخی قرار دیا ہے (مشکوٰۃ)" (تجلیات صفدر ۶/ ۱۸۹)

رفع یدین کے بارے میں بعض آلِ دیوبند عوام الناس کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رفع یدین کی احادیث مروی ہیں وہ یا تو بچے تھے یا مسافر (!) چنانچہ آلِ دیوبند کے مناظر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: "امام بخاریؒ نے کسی بدری صحابی سے نہیں بلکہ ایک بچے ابن عمرؓ اور ایک بیس رات کے مسافر حضرت مالک بن الحویرثؓ سے رفع یدین نامکمل ۹ جگہ ثابت کی۔" (تجلیات صفدر ۷/ ۹۴)

اوکاڑوی نے بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مزید لکھا ہے: "امام مسلمؒ نے ایک چھلانگ اور لگائی اور ان کے ساتھ ایک مسافر صحابی حضرت وائل بن حجرؓ اور تلاش کر لیا۔"

(تجلیات صفدر ۷/ ۹۴)

ماسٹر امین اوکاڑوی کے بقول اگر رفع یدین کی احادیث کے راوی صحابی بچے تھے تو یہ بات تو قائلین رفع یدین کے حق میں ہے، کیونکہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف آخری زندگی کو ہی ملاحظہ کیا ہوگا اور آلِ دیوبند اکثر کہا کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں رفع

یدین کرتے تھے، بعد میں چھوڑ دیا۔ اگر بعد میں چھوڑا ہوتا تو آخری زندگی ملاحظہ کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ہر گز رفع یدین نہ کرتے، حالانکہ آخری زندگی ملاحظہ کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ رفع یدین کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آخر عمر میں (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔" الحدیث

(صحیح بخاری مترجم از ظہور الباری دیوبندی جلد ۱ ص ۱۱۵، درسی نسخہ ۱/۲۲، الحدیث حضرو نمبر ۶۰ ص ۱۰)

مذکورہ حدیث سے ثابت ہو گیا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے آخر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور ان کی نماز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ بھی فرمایا تھا، کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سمجھتے ہو میرا رخ اس طرف (قبلہ کی طرف) ہے خدا کی قسم تمھارا رکوع اور تمھارا خشوع مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں تمھیں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔"

(صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۷۶ مترجم ظہور الباری دیوبندی، درسی نسخہ ج ۱ ص ۱۰۲)

سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: "رہا یہ سوال کہ پڑھنے والے نے آہستہ قرأت کی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے علم ہوا؟ تو یہ بڑی سطحی قسم کی بات ہے احادیث میں آتا ہے۔ کہ آپ کو نماز کی حالت میں ایک مخصوص کیفیت حاصل تھی۔ جس سے آپ مقتدیوں کے رکوع وسجود اور خشوع کو ملاحظہ کر لیتے تھے (مشکوۃ جلد ۱ ص ۷۷)"

(احسن الکلام ج ۱ ص ۲۳۰، دوسرا نسخہ ص ۲۸۶)

فقیر اللہ دیوبندی نے لکھا ہے: "نماز کی حالت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لطافتِ طبع مزید لطیف ہو جاتی تھی اور آپ امور حسیہ سے بڑھ کر امور معنویہ کو محسوس کرنے لگتے" (خاتمۃ الکلام ص ۳۰۲)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو آخر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں اور ان کی نماز خصوصاً رکوع وخشوع سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح باخبر

تھے۔ ایک دیوبندی محمد اسماعیل جھنگوی نے لکھا ہے: ''رفع یدین کا مسئلہ اس صحابی سے لیا جائے گا جو حاضر باش ہو، ساری زندگی آپ ﷺ کے ساتھ رہا ہو۔''

(تحفۂ اہل حدیث ص ۱۰۶ حصہ دوم)

اور نبی ﷺ کی وفات کے تقریباً چونتیس سال بعد نافع تابعی رحمہ اللہ نے ۴۴ھ میں اسلام قبول کیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ خلیفہ بن خیاط (ص ۲۰۶، تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۴ ص ۱۲، حوادث سنۃ اربع، بحوالہ نور العینین طبع جدید ص ۲۶۰)

نافع تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز میں داخل ہوتے تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے رفع یدین کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے رفع یدین کرتے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس فعل کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کرتے۔'' (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۰۲، نیز دیکھئے تفہیم البخاری جلد ۱ ص ۳۷۶)

دیوبندیوں کے امام سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''اور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روائتیں صحیح ہیں''

(احسن الکلام جلد ۱ ص ۱۸۷، دوسرا نسخہ ص ۲۳۴)

اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''اجماع امت کا مخالف بنص کتاب و سنت دوزخی ہے''

(تجلیات صفدر ۱/۲۸۷، یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے)

امین اوکاڑوی نے مزید لکھا ہے: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجماعی فیصلوں سے انحراف کرنے والے کو شیطان اور دوزخی قرار دیا''

(تجلیات صفدر ۶/۱۸۹، یہ حوالہ بھی پہلے گزر چکا ہے)

سرفراز صفدر نے محمد عمر اچھروی بریلوی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مگر مولوی محمد عمر صاحب کو بگوش ہوش سننا چاہیئے اور اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ بخاری شریف کی روایت کو ضعیف کہہ دینا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔'' (ازالۃ الریب ص ۲۱۱)

تبلیغی جماعت کے شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب نے کہا: ''ساری روایات بخاری صحیح

ہیں اگر کسی نے کلام کیا ہے تو غلط کیا ہے۔" (تقریر بخاری ص ۳۵۶)

امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: "بحث حدیث عبداللہ بن عمر بن خطابؓ:

(۱) امام بخاری فرماتے ہیں: ربیع (بصری) لیث (کوفی)، طاؤس (یمنی)، سالم (مدنی) ابوزبیر (مکی) اور محارب بن دثار (کوفی) اور نافع (مدنی) نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رفع یدین کرتے دیکھا" (جزء بخاری ص ۱۷۹)

امین اوکاڑوی نے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے اس کا جواب یوں دیا:

"جواب: ظاہر ہے یہ واقعہ حج کے موقع کا ہوسکتا ہے، جہاں مکی، مدنی، کوفی، یمنی، بصری سب اکٹھے ہوتے ہیں۔

(۲) بہر حال حج کے موقع پر ان سات شخصوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رفع یدین کرتے دیکھا...." (تجلیات صفدر جلد ۲ ص ۲۶۶)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حدیث اور اہلِ حدیث (ص ۴۰۸)

اب ظاہر ہے یہ سب تابعین کرام رحمہم اللہ اجمعین، نبی ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے اور انھوں نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد ایک ایسے صحابی رضی اللہ عنہ کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا جو نبی ﷺ کی حیات کے آخر تک نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے رہے تھے اور نبی ﷺ ان کی نماز سے پوری طرح باخبر تھے جیسا کہ تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

اس حقیقت کے باوجود بعض متعصب اور غالی قسم کے لوگ رفع یدین کو منسوخ ثابت کرنے کے لئے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب موضوع و من گھڑت روایات پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی زندگی میں ہی رفع یدین کی منسوخیت کا علم تھا۔ حالانکہ آلِ دیوبند کا اصول ہے کہ اگر کوئی صحابی اپنی بیان کردہ مرفوع حدیث کے خلاف عمل کرے تو صحابی کی عدالت ہی ساقط ہو جاتی ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے تجلیات صفدر (جلد ۵ ص ۵۲) خزائن السنن (۱۹۱/۱، ۱۹۲) الحدیث

حضرو (نمبر ۴۵ ص ۳۱، نمبر ۵۷ ص ۳۲، نمبر ۶۳ ص ۱۶)

بلکہ ماسٹر امین اوکاڑوی نے تو خاص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ قاعدہ نقل کیا ہے۔ دیکھئے تفہیم البخاری حاشیہ امین اوکاڑوی (جلد ۱ ص ۳۷۵ ب)

بعض لوگ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں کہ امام مجاہد رحمہ اللہ نے ان کو رفع یدین ترک کر کے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں عمل جائز تھے، لیکن یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابوبکر بن عیاش ہے جس کا آلِ دیوبند کے نزدیک حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ آلِ دیوبند کے مشہور مناظر اور شیخ العرب والعجم عبدالستار تونسوی نے علانیہ کہا تھا: ''جو روایت تم نے پیش کی ہے اس کی سند میں ایک راوی ابوبکر بن عیاش ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں ہے ضعیف الحافظہ کثیر الغلط وہی کہ ابوبکر بن عیاش کا حافظہ نہایت کمزور تھا اور بے شمار غلط روایات کرتا تھا۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ وہ حد سے زیادہ کثیر الغلط ہے۔'' (بے نظیر ولاجواب مناظرہ ص ۷۶)

آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق اگر صحیح بخاری کا بھی کوئی راوی ایسا ہو جس کا حافظہ خراب ہو گیا ہو تو ایسے راوی کی روایات صحیح بخاری میں تو حجت ہوتی ہیں اور دوسری کتابوں میں حافظہ خراب ہونے کے بعد والی روایات ضعیف ہوتی ہیں۔

آلِ دیوبند کے شیخ الاسلام محمد تقی عثمانی نے کہا: ''بعض اوقات ایک راوی کی احادیث ایک مخصوص زمانہ تک صحیح و مقبول ہوتی ہیں اور اس کے بعد کی روایات ضعیف و مردود، امام بخاریؒ ایسے مواقع پر اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ ایسے راوی کی صرف پہلے دور کی روایات لی جائیں'' (درس ترمذی ۱/۶۵)

عبدالقدوس قارن دیوبندی نے لکھا ہے: ''جن کتب میں صحت کا التزام کیا گیا ہے ان میں راوی کی حیثیت اور ہے اگر وہی راوی کسی دوسری جگہ آ جائے تو اس کی حیثیت اور ہو گی''

عبدالقدوس قارن دیوبندی نے ایک اور جگہ اپنی تائید میں لکھا ہے: ''اور علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: یعنی کسی راوی سے صحیح میں احتجاج کیا گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جس حدیث میں بھی ہوگا اس کی حدیث صحیح کی شرط پر ہوگی'' (مجذوبانہ واویلا ص ۹۳)

امام احمد رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ترک رفع یدین کے اثر کو باطل کہا ہے۔ دیکھئے مسائل احمد روایت ابن ہانی (جلد ۱ ص ۵۰)

اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی ترک رفع یدین والے اثر کو باطل اور موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھئے خزائن السنن مؤلف سرفراز صفدر (ص ۳۵۱)

ماسٹر امین نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بعد رفع یدین کی حدیث بیان کرنے والے ایک اور صحابی سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو مسافر کہہ کر رفع یدین سے گلو خلاصی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، حالانکہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا آخری زمانہ پایا ہے۔

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''جب ابن مسعودؓ مسلمان ہوئے اس وقت حضرت ابن عمرؓ شیر خوار بچے تھے اور بقیہ صحابہؓ جن سے رفع یدین کی روائتیں منقول ہیں بہت بعد کو مسلمان ہوئے'' (خزائن السنن ص ۳۶۰)

اس اعتراف کے باوجود رفع یدین کو ابتدائی دور کا عمل قرار دینا ناانصافی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

سرفراز صفدر نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ۹ ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پھر کہا: ''اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریبا باسٹھ سال تھی۔ اور بڑھاپے اور کمزوری کا زمانہ تھا'' (خزائن السنن ص ۳۶۴)

اور تیسرے نمبر پر امین اوکاڑوی دیوبندی نے رفع یدین کی حدیث بیان کرنے والے صحابی سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے مسلمانوں کے متفقہ امام، امام مسلم رحمہ اللہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ امام مسلمؒ نے ایک چھلانگ اور لگائی اور

مسافر صحابی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اور تلاش کر لیا۔" (تجلیات ۹۴/۷)

حالانکہ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت رفع یدین سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا جب تطبیق منسوخ ہو چکی تھی۔ جبکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے شاگردوں کو جب نماز پڑھائی تو خود بھی تطبیق کی اور اپنے شاگردوں کو بھی عین حالت نماز میں تطبیق کروائی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دور میں رکوع کرتے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کی بجائے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اپنے گھٹنوں کے درمیان رکھا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسے کرتے تھے، اس عمل کو تطبیق کہتے ہیں۔ بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا شروع کر دیئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا اور تطبیق سے منع کر دیا۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھوں گا آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں تو آپ کھڑے ہوئے اور قبلہ کی طرف منہ کیا پھر رفع یدین کیا (دونوں ہاتھ اٹھائے) کانوں کے برابر پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا جب رکوع کا قصد کیا تو رفع یدین کیا اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے جب رکوع سے سر اٹھایا تو اسی طرح رفع یدین کیا۔ الحدیث (نسائی درسی نسخہ جلد ا ص ۱۸۶ حدیث ۱۲۶۶، نسائی جلد ا ص ۱۷ ۴۱ مترجم وحید الزمان)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جب سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تھا اس وقت تطبیق منسوخ ہو چکی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا شروع کر دیئے تھے۔

مصعب بن سعد رحمہ اللہ سے روایت ہے میں نے اپنے باپ (سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کے بازو میں نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ گھٹنوں کے بیچ میں رکھے تو میرے باپ نے کہا اپنی دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھ کہا کہ پھر میں نے دوبارہ ویسے ہی کیا تو انھوں نے میرے ہاتھ پر مارا اور کہا ہم منع کیے گئے ایسا کرنے سے اور حکم ہوا دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں

پر رکھنے کا۔'' (صحیح مسلم ۱۰۸/۲ مترجم)

امر وجوبی حکم کو کہتے ہیں ''جس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے'' (سیف حنفی ص ۲۸۲)

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''امر وجوب کیلئے ہوتا ہے'' (احسن الکلام ۳۰/۲، دوسرا نسخہ ۳۲/۲)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ پہلے رکوع کے وقت تطبیق کرتے تھے، بعد میں یہ عمل چھوڑ دیا اور اس سے منع بھی کر دیا اور رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا، لیکن نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تطبیق کرتے تھے اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ چنانچہ علقمہ تابعی اور اسود تابعی رحمہما اللہ نے فرمایا:

'' وہ دونوں (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا کیا تمھارے پیچھے کے لوگ نماز پڑھ چکے انھوں نے کہاں ہاں پھر (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں کے بیچ میں کھڑے ہوئے اور ایک کو داہنی طرف کھڑا کیا اور دوسرے کو بائیں طرف پھر رکوع کیا تو ہم نے اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا۔ (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمارے ہاتھ پر مارا اور تطبیق کی (یعنی دونوں ہتھیلیوں کو ملایا) اور رانوں کے بیچ میں رکھا جب نماز پڑھ چکے تو کہا رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔''

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۷ مترجم وحید الزمان، درسی نسخہ ۲۰۲/۱ حدیث نمبر ۵۳۴)

صحیح مسلم کی ایک اور روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ اور اسود سے یہ بھی فرمایا تھا کہ گویا میں تطبیق کے وقت رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے اختلاف کی کیفیت کا آج بھی مشاہدہ کر رہا ہوں'' (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۰۲ بحوالہ غیر مقلدین کیا ہیں؟ ص ۵۴۳ جلد ۱)

عزیز الرحمٰن دیوبندی فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور نے لکھا ہے:

''پہلا حکم یعنی گھٹنوں کے درمیان ہاتھ رکھنا منسوخ ہو گیا ہے واللہ اعلم بالصواب''

(حاشیہ صحیح مسلم مترجم از عزیز الرحمٰن جلد ۱ ص ۴۹۹)

محمود حسن دیوبندی نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا: ''تطبیق کے نسخ کا چونکہ ان کو پوری طرح ثبوت نہ ہوا لہٰذا اخیر تک نہ چھوڑا۔'' (تقاریر شیخ الہند ص ۶۵)

تو پھر یہ معلوم ہو جانے کے بعد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ضعیف حدیث جو کہ پہلے دور کی ہے، اس حدیث سے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی صحیح حدیث جو کہ بعد والے دور کی ہے، جس میں رکوع کی رفع یدین کا ذکر ہے اور رکوع کے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کا بھی ذکر ہے کیسے منسوخ ہو سکتی ہے۔؟!

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مسئلہ تطبیق کے متعلق ایک دیوبندی مفتی احمد ممتاز نے احادیث سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ایک بہت ہی عجیب بات کہی ہے کہ ان کی رائے میں دونوں عمل برابر ہوں جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تطبیق اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کو برابر سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۴، فتح الباری ۱/۲۸۷، بحوالہ النور)'' (آٹھ مسائل ص ۳۰)

قارئین کرام! آپ تطبیق کے متعلق ہماری نقل کردہ صحیح مسلم کی روایات ملاحظہ فرما چکے ہیں، جن کے مطابق سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود بھی تطبیق کرتے تھے اور عین حالت نماز میں ان لوگوں کے ہاتھوں پر مارا کرتے تھے جو گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے تھے اور نماز کے بعد فرماتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے، اس حقیقت کے بعد ''مفتی'' احمد ممتاز کی بات میں ذرہ برابر جان نہیں رہتی۔ اسی لئے اس نے ''ہو سکتا ہے'' سے کام چلانے کی کوشش کی اگر احمد ممتاز دیوبندی کی طرح کوئی یہ بھی کہہ دے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں برابر تھے تو احمد ممتاز اس شخص کی بات کا کیسے انکار کرے گا۔ آخر ''مفتی'' مذکور ہی بتائیں کہ کیا وجہ ہے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور خلیفہ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک تو دونوں عمل برابر ہوں اور آلِ دیوبند اور ان کے اکابر کے نزدیک دونوں عمل برابر نہ ہوں۔ آلِ دیوبند کے انتہائی معتبر امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی نے کہا:

''ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تین باتوں کو نہیں مانتے، ان میں ایک تطبیق بھی ہے''

(دیکھئے کتاب الآثار ص ۳۷ حدیث نمبر ۹۵، دوسرا نسخہ ص ۲۰۳، نیز دیکھئے علم الفقہ ص ۲۱۲ حاشیہ)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو حوالہ احمد ممتاز دیوبندی نے دیا ہے اس کی سند میں ایک

راوی ابواسحاق السبیعی ہے اور وہ مدلس ہے۔ (دیکھئے تہذیب ۶۶/۸، طبقات المدلسین ص ۴۲)

اور یہ روایت بھی عن سے ہے اور ابواسحاق کی عن والی روایت آلِ دیوبند کے نزدیک بھی ضعیف ہوتی ہے۔ (دیکھئے حقیقی نظریاتِ صحابہ ص ۳۵، ۳۹)

امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''دوسرا راوی ابواسحاق سبیعی ہے جس کا حافظہ آخری زمانہ میں صحیح نہیں رہا تھا (نووی ص ۷ التقریب)'' (تجلیات صفدر ۳/ ۱۴۳)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف تطبیق کے ہی قائل تھے، گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے ہرگز قائل نہ تھے جیسا کہ تفصیل سے عرض کر دیا گیا ہے اور ''مفتی'' احمد ممتاز دیوبندی اور ان کے ہم نوا دیگر دیوبندی ''حضرات'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بات کا ثبوت دینے میں ناکام ہی رہے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے بھی قائل تھے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک صحابی کسی دوسرے علاقے میں چلے جاتے اور بعد میں نماز سے متعلق کوئی چیز منسوخ ہو جاتی تھی، مثال کے طور پر نماز میں باتیں کرنا پہلے جائز تھا اور اس دوران میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ملک حبشہ چلے گئے، جب واپس آئے تو نماز میں باتیں کرنا منسوخ ہو چکا تھا، لیکن انھیں چونکہ اس حکم کی ابھی تک اطلاع نہ پہنچی تھی اس لئے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت سلام کیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ جواب نہ ملنے پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فکر مند ہو گئے۔

انوار خورشید دیوبندی نے لکھا ہے: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم سرزمین حبشہ آنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے دوران سلام کرتے تھے تو آپ جواب دیتے تھے، جب ہم حبشہ سے واپس آئے تو میں نے آپ کو سلام کیا اس حال میں کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا مجھے قریب و بعید کی فکروں نے آگھیرا، (اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بہت ہی پیارے اور نیک بندے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی غیب نہیں جانتے تھے) میں بیٹھ گیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمالی، میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کو جب کہ آپ نماز

پڑھ رہے تھے سلام کیا تھا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا؟ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اپنے معاملے میں جو چاہتے ہیں نئے احکام نازل فرما دیتے ہیں اور ان نئے احکام میں سے یہ حکم بھی ہے کہ تم نماز میں باتیں نہ کرو۔'' (حدیث اوراہلحدیث ص ۵۳۷۔۵۳۸)

رفع یدین پر بحث کرتے ہوئے اسمٰعیل جھنگوی دیوبندی نے رفع یدین کی حدیث بیان کرنے والے ایک صحابی کے متعلق لکھا ہے: ''انہیں کیا پتہ کہ جانے کے بعد احکام میں کیا تبدیلی ہوئی ہے؟'' (تحفہ اہل حدیث ص ۱۰۶ حصہ دوم)

اسی طرح آلِ دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تبلیغ وغیرہ کے لئے کسی دوسرے علاقے میں چلے گئے ہوں اور ان کے جانے کے بعد تطبیق منسوخ ہوگئی ہو اور نبی ﷺ نے رکوع کے وقت رفع یدین شروع کر دیا ہو اور انھیں اس کی اطلاع نہ پہنچی ہو۔

یہ جواب صرف اس صورت میں ہے جب سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ترک رفع یدین کی روایت صحیح ثابت ہو جائے، لیکن چونکہ جمہور محدثین کے نزدیک ترکِ رفع یدین کی روایت ہی ضعیف ہے، اس لئے ہماری تحقیق میں نبی ﷺ نے رفع یدین کے بغیر کوئی نماز بھی نہیں پڑھی۔

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے رفع یدین کی احادیث کو پہلے نقل کیا ہے اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بعد میں نقل کیا ہے اور اس روایت پر ترک اور رخصت کے ابواب قائم کیے ہیں، لہٰذا رفع یدین منسوخ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصول ہی سرے سے باطل ہے کیونکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے ''رکوع میں کیا پڑھنا چاہئے؟'' اس کے متعلق چھ مختلف ابواب قائم کئے ہیں پھر سب سے آخر میں یہ باب قائم کیا ہے:

''باب الرخصة في ترك الذكر فی الركوع'' رکوع میں کچھ نہ پڑھنا۔

دیکھئے سنن نسائی (جلد ۱ ص ۳۵۰ مترجم، درسی نسخہ جلد ۱ ص ۱۶۱ قبل حدیث: ۱۰۵۴)

تو کیا کوئی عقل مند کہہ سکتا ہے کہ رکوع کی تمام تسبیحات منسوخ ہیں؟!

اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے سنن النسائی (جلد اص ۳۷۱ تا ۳۷۶ ، درسی نسخہ ج اص ۱۶۸۔۱۷۰ ، قبل ح ۱۱۲۲۔۱۱۳۷) میں سجدہ کی چودہ مختلف دعاؤں کے ابواب قائم کئے ہیں اور سب سے آخر میں یہ باب قائم کیا ہے: "باب الرخصة في ترك الذكر في السجود " (سنن النسائی ص ۳۷۷ جلد ا، درسی نسخہ جلد اص ۱۷۰ قبل حدیث ۱۱۳۷)

تو کیا پھر سجدہ کی تمام تسبیحات بھی منسوخ ہیں؟!

اور اگر اصول یہی ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ جس حدیث کو سب سے آخر میں نقل کریں وہ ناسخ ہوتی ہے اور پہلی احادیث منسوخ ہوتی ہیں تو عرض ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث کو دو جگہ نقل کیا ہے پہلی مرتبہ (سنن النسائی جلد اص ۳۴۳ ، مترجم ، درسی نسخہ ۱/ ۱۵۸ ح ۱۰۲۷) اور دوسری مرتبہ (سنن النسائی جلد اص ۳۵۲ ، درسی نسخہ ۱/ ۱۶۱ ح ۱۰۵۹) پر جبکہ رفع یدین کرنے کی احادیث کو متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے بلکہ سب سے آخر میں رفع یدین کی احادیث کو ہی نقل کیا ہے۔ مثلاً سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی چار مقامات پر رفع یدین کی حدیث کو سنن نسائی (جلد اص ۳۹۳ مترجم وحید الزمان ، درسی نسخہ ۱/ ۱۷۶ ح ۱۱۸۳) میں ذکر کیا اور سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا ثبوت ہے، اسے سنن النسائی (جلد اص ۴۱۷ ، مترجم ، درسی نسخہ ۱/ ۱۸۶ ح ۱۲۶۶) میں ذکر کیا ہے تو اس اصول سے رفع یدین نہ کرنے کی روایت منسوخ ہو گی ، نیز اگر امام نسائی رحمہ اللہ کے نزدیک رفع یدین منسوخ ہوتا تو امام نسائی رحمہ اللہ رفع یدین کے متعلق بھی نسخ کا باب قائم کرتے جیسا کہ انھوں نے تطبیق کے متعلق نسخ کا باب قائم کیا ہے۔

دیکھئے سنن النسائی (جلد اص ۳۴۵ مترجم ، درسی نسخہ ۱/ ۱۵۹ ، قبل ح ۱۰۳۳)

تنبیہ: محدثین کرام کے ابواب پہلے اور بعد؟! کے موضوع پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے ایک لاجواب مضمون تحریر کیا ہے۔ (دیکھئے الحدیث حضرو نمبر ۷۷ ص ۷ ، مقالات)

جس کے جواب سے پوری دیوبندیت خاموش ہے۔ دیوبندی اگر بریلویوں کو بھی

اپنے ساتھ ملالیں، پھر بھی ان شاء اللہ ان کا جواب نہیں دے سکتے۔

اب آخر میں عرض ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ضعیف روایت میں چونکہ رکوع کا ذکر نہیں اور آلِ دیوبند کے اصول کے مطابق یہ روایت رکوع کے متعلق ہے ہی نہیں کیونکہ آلِ دیوبند کے ''مفتی'' احمد ممتاز نے لکھا ہے:

''دس نیکیوں والی روایت کا جواب

سوال: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس شخص نے نماز میں رفع یدین کی اس کو ہر اشارہ کے بدلے دس نیکیاں ملیں گے۔

جواب: (ا) اس روایت میں رکوع کا ذکر نہیں لہٰذا بدوں دلیل رکوع کی رفع یدین مراد لینا درست نہیں'' (آٹھ مسائل ص ۶۳)

اسی اصول کے مطابق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت میں رکوع کا ذکر نہیں، لہٰذا بدوں دلیل رکوع کی رفع مراد لینا درست نہیں۔

اور رفع یدین کے قائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے آخر تک نماز پڑھی ہے اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا رکوع و خشوع نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں بھی ملاحظہ فرما لیتے تھے، جیسا کہ سرفراز صفدر وغیرہ کی عبارتیں گزر چکی ہیں اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی رفع یدین سے نماز پڑھتے تھے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ نقل کر دیا گیا ہے۔

انوار خورشید دیوبندی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے:

''انتہائی متبع سنت صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۸۷۴)

آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو فقہاء صحابہ میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے الکلام المفید (ص ۲۷۰)

آلِ دیوبند کے امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق

لکھا ہے: ''من فقها أهل المدينة'' (کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ ص ۹۹ جلد ۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آلِ دیوبند کے ''فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد قدس سرہ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند و سابق صدر جمیعۃ ہند'' نے لکھا ہے: ''حضرت ابن عمرؓ کے زمانہ میں رفع یدین کا عمل بھی برائے نام رہ گیا تھا اور بعید نہیں کہ کچھ لوگ رفع یدین کو بدعت سمجھنے لگے ہوں، اس لیے انھوں نے اس پر زور دینا شروع کیا، خود کر کے بھی دکھلاتے رہے، زبان سے بھی کہتے رہے فضائل بھی بیان کرتے رہے اور رکوع میں جاتے ہوئے یا رکوع سے اٹھتے ہوئے ترک رفع کرنے والوں کو کنکر مار کر تنبیہ بھی کرتے رہے، اور بہر حال انھوں نے رفع یدین کو ختم ہونے سے بچالیا۔''

(غیر مقلدین کیا ہیں؟ جلد ۱ ص ۵۲۶)

اعلانات

۱: نیموی کی کتاب آثار السنن، اس کی تحقیق و تخریج، ترجمہ اور علمی فوائد کے لئے دیکھئے حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب: انوار السنن فی تحقیق آثار السنن۔

یہ کتاب ماہنامہ ضربِ حق سرگودھا میں مئی ۲۰۱۲ء (شمارہ نمبر ۲۵) سے سلسلہ وار شائع ہونا شروع ہوگئی ہے۔ والحمد للہ

۲: اللہ تعالیٰ کے بارے میں آلِ دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ امکانِ کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔ اس سلسلے میں حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے تحقیقی مضمون کے لئے دیکھئے: ''رب نواز دیوبندی اور امکانِ کذبِ باری تعالیٰ'' (ماہنامہ ضربِ حق سرگودھا: ۲۵)

۳: بریلویہ کے رد کے لئے ابو عبداللہ شعیب محمد سیالکوٹی حفظہ اللہ کے مضمون:
''انبیاء (علیہم السلام) کی امامت کے بریلوی دعوے!'' (دیکھئے ضربِ حق: ۲۶ ص ۱۷۔۲۱)

۴: ''رب نواز دیوبندی اور بے بسیاں...؟!'' مجلہ صفدر گجرات (شمارہ: ۶، ۱۴) کے جواب کے لئے دیکھئے ضربِ حق (شمارہ: ۲۶ ص ۳۴۔۳۹)

محمد زبیر صادق آبادی

تقلیدِ شخصی کی حقیقت آلِ دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں

آلِ دیوبند کے نزدیک تقلید صرف مسائل اجتہادیہ میں کی جاتی ہے، چنانچہ ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''صرف مسائل اجتہادیہ میں تقلید کی جاتی ہے'' (تجلیاتِ صفدر ۳/۳۷۶)

آلِ دیوبند کے نزدیک چار ائمہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اور اس پر اجماع ہے۔

چنانچہ سعید احمد پالنپوری دیوبندی نے لکھا ہے: ''چنانچہ چوتھی صدی میں پوری امتِ مسلمہ نے ان چار ائمہ کی تقلید شخصی پر اجماع کر لیا، اور ان کے علاوہ کی تقلید کو ناجائز قرار دیا۔''

(تسہیل ادلۂ کاملہ ص ۸۵)

محمد بلال دیوبندی نے اپنے ''شیخ الاسلام'' ابن ہمام کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

''اجماع منعقد ہو گیا اس بات پر کہ چار ائمہ کے علاوہ کسی کی تقلید نہیں ہوگی۔ (فتح القدیر بحوالہ فتح المبین ص ۳۷۴، جواہر الفقہ ج ۱ ص ۱۲۲)'' (اطمینان القلوب ص ۱۶)

آلِ دیوبند کے نزدیک ان چار ائمہ میں سے صرف امام ابوحنیفہ کی تقلید کی جائے گی، کیونکہ ان علاقوں کے متعلق جہاں احناف کی کثرت ہو، سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے:

''...اور ان علاقوں میں احناف اور فقہ حنفی ہی کی کثرت ہے ظاہر امر ہے کہ اگر ان علاقوں میں کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جو منصوص نہیں تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ سے اگر کوئی شخص اکڑ کر گردن نکالتا ہے تو دوسرے ائمہ کرامؒ کی فقہ تو وہاں ہے نہیں اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ وہ من مانی کاروائی کر کے شریعت کے پٹے ہی کو گردن سے اتار پھینکے گا۔ اور اسلام ہی کو خیر باد کہہ دے گا ایسے شخص کے لیے اگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید واجب نہ ہو تو اس کا اسلام کیسے محفوظ رہے گا۔؟ اور اپنے مقام پر ثابت ہے کہ لاعلمی کے وقت ایسے جاہل کا اہل علم کی طرف رجوع کرنا نص قرآنی سے واجب ہے...'' (الکلام المفید ص ۱۷۷)

یعنی آلِ دیوبند کے علماء کو بھی اگر کوئی اجتہادی مسئلہ پیش آجائے تو ان پر بھی جاہل کا اطلاق ہوگا۔

سرفراز صفدر نے مزید لکھا ہے: ''اور تقلید شخصی کا یہی معنی ہے کہ ایک ہی ہستی اور ذات کو اپنے پیشِ نظر رکھ کر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرا جائے۔'' (الکلام المفید ص ۸۲)

محمد تقی عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے: ''اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کیلئے کسی ایک مجتہد عالم کو اختیار کیا جائے، اور ہر ایک مسئلہ میں اسی کا قول اختیار کیا جائے، اُسے ''تقلیدِ شخصی'' کہا جاتا ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۵)

تقی عثمانی صاحب نے مزید لکھا ہے: ''...انھوں نے بعد میں ایک زبردست انتظامی مصلحت کے تحت ''تقلید'' کی مذکورہ دونوں قسموں میں سے صرف ''تقلید شخصی'' کو عمل کے لئے اختیار فرمالیا، اور یہ فتویٰ دیدیا کہ اب لوگوں کو صرف ''تقلید شخصی'' پر عمل کرنا چاہئے۔ اور کبھی کسی امام اور کبھی کسی امام کی تقلید کے بجائے کسی ایک مجتہد کو معیّن کر کے اسی کے مذہب کی پیروی کرنی چاہئے'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۶۱۔۶۲)

رشید احمد گنگوہی دیوبندی نے لکھا ہے: ''پہلی صورت کو تقلید شخصی کہتے ہیں کہ ایک شخص واحد کا مقلد ہو کر سب ضروریاتِ دین اس سے ہی حل کرے۔'' (تالیفات رشیدیہ ص ۵۱۸)

محمد قاسم نانوتوی دیوبندی نے کہا:

''دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ کا ہوں، اس لئے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطور معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہئے۔ یہ بات مجھ پر حجت نہ ہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے، میں ان کا مقلد نہیں۔'' (سوانح قاسمی ۲/۲۲)

اوکاڑوی نے کہا: ''ہم امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں نہ کہ شاہ ولی اللہ کے۔''

(فتوحاتِ صفدر ۲/۱۳۳)

محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے: ''پس اس خودرائی کا ایک ہی علاج تھا کہ نفس کو کسی ایک ماہر شریعت کے فتوی پر عمل کرنے کا پابند کیا جائے اور اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔''

(اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ اول ص ۲۳، دوسرا نسخہ حصہ اول ص ۳۴، اضافہ وترمیم شدہ جدید ایڈیشن)

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''...اور جو شخص جس امام کا مقلد ہو تو وہ یہ نہ کرے کہ کسی مسئلہ میں کسی ایک امام کی تقلید کرے اور کسی میں کسی کی کیونکہ یہ کاروائی دین کو کھلونا بنا دیگی'' (الکلام المفید ص ۱۷۴)

مزید دیکھئے اطمینان القلوب (ص ۱۶) اور تجلیاتِ صفدر (۲/ ۵۱)

زرولی خان دیوبندی نے لکھا ہے:

''ہم ابو حنیفہ کے قول کا اعتبار کریں گے کیونکہ ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی'' (احسن المقال ص ۵۳)

محمود حسن صاحب نے بھی لکھا ہے: ''لیکن سوائے امام اور کسی کے قول سے ہم پر حجت قائم کرنا بعید از عقل ہے'' (ایضاح الادلہ ص ۲۷۶، دوسرا نسخہ ص ۴۸۹)

محمود حسن دیوبندی نے دوسری جگہ لکھا ہے: ''ہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں تمام حنفیہ کے مقلد نہیں'' (ایضاح الادلہ ص ۴۸۸)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''ہم مسائل منصوصہ میں قال رسول اللہ کذا اور مسائل اجتہادیہ میں قال ابو حنیفہ کذا کہتے ہیں۔'' (تجلیاتِ صفدر ج ۶ ص ۱۵۴)

آلِ دیوبند کے مذکورہ حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ان کے نزدیک صرف امام ابو حنیفہ کے ان اقوال کو جو انھوں نے اجتہاد کر کے بتائے ہیں، تسلیم کرنا تقلید شخصی ہے اور یہ ان کے نزدیک واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ کے علاوہ کسی کے اجتہاد کو تسلیم کرنا تقلید نہیں، کیونکہ اگر امام ابو حنیفہ کے علاوہ کسی دوسرے کے اجتہاد تسلیم کرنے کو تقلید کہیں گے تو اجماع کے منکر بن جائیں گے اور اجماع کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''اجماع امت کا مخالف بنص کتاب وسنت دوزخی ہے'' (تجلیات صفدر ۱/ ۲۸۷)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے مزید لکھا ہے: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجماعی فیصلوں سے انحراف کرنے والے کو شیطان اور دوزخی قرار دیا ہے (مشکوٰۃ)'' (تجلیات صفدر ۶/ ۱۸۹)

جبکہ اجتہادات تو آلِ دیوبند کے علماء نے بھی کیے ہیں

چنانچہ اشرف علی تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے: ”اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چار سو برس کے بعد کسی کو اجتہاد کے قابل دماغ نہیں ملا۔ کیونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ علاوہ ازیں یہ مطلقاً صحیح بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر زمانہ میں ہزاروں ایسی جزئیات نئی نئی پیش آتی ہیں جن کا کوئی حکم آئمہ مجتہدین سے منقول نہیں اور علماء خود اجتہاد کر کے ان کا جواب بتلاتے ہیں۔ پس اگر اجتہاد کا باب بالکل بند ہوگیا اور اب کسی کا دماغ اجتہاد کے قابل نہیں ہوسکتا تو کیا ایسے نئے نئے مسائل کا جواب شریعت سے نہیں ملیگا۔ یا ان مسائل کے جواب کے لئے کوئی نیا نبی آسمان سے اترے گا۔ اگر یہی بات ہے تو خدا خیر کرے کہیں ق، د، ن والے نہ سن لیں کہیں یہ بات ان کے کانوں میں پڑ گئی تو مسیح موعود کے دلائل نبوت کی فہرست میں ایک اور دلیل کا اضافہ کرلیں گے۔ پھر اس آیت کے کیا معنی ہونگے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی تکمیل ہوچکی کہ دروازۂ اجتہاد اگر بالکل بند کردیا جائے تو پھر شریعت کی تکمیل کس طرح مانی جائیگی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ ان کا جواب کتب فقہ میں مذکور نہیں نہ آئمہ مجتہدین سے کہیں منقول ہے۔

نئے مسائل کے جوابات | پچھلے دنوں میں ایک سوال آیا تھا کہ ہوائی جہاز میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اب بتلایئے کہ اگر اجتہاد بعد چار سو برس کے بالکل جائز نہیں تو اس مسئلہ کا شریعت میں کوئی بھی جواب نہیں۔ پہلے زمانہ میں ہوائی جہاز نہ تھا نہ فقہا اس کو جانتے تھے۔ نہ کوئی حکم لکھا۔ اب ہم لوگ خود اجتہاد کرتے ہیں۔ اور ایسے نئے مسائل کا جواب دیتے ہیں...“ (اشرف الجواب ص ۲۸۰۔۲۸۱، دوسرا نسخہ ص ۲۷۵۔۲۷۶ فقرہ نمبر ۹۷)

محمد یوسف لدھیانوی نے شعرانی کے حوالے سے لکھا ہے:

”بہت سے مسائل ایسے ملیں گے اور ہیں جن کا ذکر موجودہ فقہ حنفی کے عظیم الشان ذخیرہ میں نہیں ملتا“ (قافلہ... جلد نمبر ۴ شمارہ ۳ ص ۱۳)

سرفراز صفدر نے بھی لکھا ہے: ”اس کے علاوہ کہیں کہیں میرے اپنے استنباطات اور اجتہادات بھی ہونگے“ (احسن الکلام [illegible])

اب ظاہر ہے دیوبندی اپنے ان علماء کے اجتہاد کو تسلیم کرنے سے ان کے مقلد تو نہیں بن جائیں گے، کیونکہ ان کے نزدیک چار ائمہ کے سوا کسی کی بھی تقلید اجماع کی مخالفت ہے۔ اسی طرح اگر اہل حدیث علماء اجتہاد کریں اور عوام اہل حدیث ان کو تسلیم کرلیں تو یہ بھی کوئی تقلید نہیں ہوگی اور علماء اہل حدیث کا اجتہاد کرنا کوئی عجیب وغریب بات نہیں، کیونکہ علمائے دیوبند بھی تو اجتہاد کرتے ہیں جیسا کہ اشرف علی تھانوی اور سرفراز صفدر وغیرہما کے حوالے نقل کئے جاچکے ہیں اور بات علمائے دیوبند کے اجتہاد کی چلی ہے تو یہاں ایک دیوبندی لطیفہ بھی سنتے جایئے۔ عبدالرشید ارشد دیوبندی نے انور شاہ کشمیری دیوبندی کے متعلق لکھا ہے: ''اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یاد آیا جو اس مقام کے مناسب حال ہے اور وہ یہ کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ایک مناظرہ میں جو حضرت ممدوح اور ایک اہل حدیث کے مابین ہوا۔ اہل حدیث عالم نے پوچھا۔ کیا آپ ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔؟ فرمایا نہیں۔ میں خود مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتا ہوں'' (بیس بڑے مسلمان ص ۳۸۳)

تنبیہ: بعض اوقات آلِ دیوبند ہر ایک کو اجتہاد کرنے کا کہتے ہیں، چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہوا ہے: ''پھر اگر مصلی پر قبلہ مشتبہ ہوجائے اور حال یہ کہ کوئی موجود بھی نہیں جس سے قبلہ کا رخ پوچھے تو اجتہاد کرے'' (ہدایہ مع اشرف الہدایہ ۱/ ۳۹۶ ترجمہ جمیل احمد دیوبندی)

آلِ دیوبند کے نزدیک قرآن، حدیث اور اجماع کو ماننا تقلید نہیں، جیسا کہ شروع میں اوکاڑوی کی عبارت سے واضح کیا جاچکا ہے۔ آلِ دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''اصول دین۔ عقائد اور منصوص احکام میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ صرف تقلید آئمہ کرامؒ پر اکتفاء درست ہے تقلید صرف ان مسائل میں جائز ہے جن پر نصوص قرآن کریم، حدیث شریف اور اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے صراحتہً روشنی نہ پڑتی ہو ایسے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت بھی پیش آئے گی اور مجتہد کے اس اجتہاد کو تسلیم کرنا امر مطلوب ہے...''

(الکلام المفید ص ۱۷۲)

سرفراز صفدر نے مزید لکھا ہے: ''بفضلہ تعالیٰ یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ عقائد اور

اصول دین میں تقلید جائز اور درست نہیں ہے اور نہ ہی نصوص قرآن کریم اور صریح وصحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف مسائل میں تقلید جائز ہے تقلید تو ان پیش آمدہ مسائل میں جائز ہے جو نہ تو قرآن کریم سے صراحتہً ثابت ہوں اور نہ احادیث صحیحہ صریحہ سے اور نہ اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے اور حضرات مقلدین کے نزدیک جس امام کی تقلید کی جاتی ہے وہ ان کو ہرگز معصوم بھی نہیں مانتے بلکہ تمام اصول فقہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ جملہ مذکور ہے المجتہد یخطئ ویصیب" (الکلام المفید ص ۲۳۵)

آلِ دیوبند کے "شیخ الاسلام" ابن ہمام نے لکھا ہے:

"مسئلہ: تقلید اس شخص کے قول پر بغیر دلیل کے عمل کو کہتے ہیں جس کا قول (چار) دلائل میں سے نہیں ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجوع تقلید میں سے نہیں ہے۔"

(تحریر ابن ہمام فی علم الاصول ۴۵۳/۳، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۱۰)

نوٹ: عربی عبارت کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔

محمد تقی عثمانی دیوبندی کے بقول: "مشہور حنفی عالم عبدالغنی نابلسی" نے لکھا ہے:

"دراصل تقلید کی ضرورت اُن مسائل میں پڑتی ہے جن میں علماء کا اختلاف رہا ہو"

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۱)

نیز الیاس فیصل دیوبندی نے لکھا ہے: "جو مسائل قرآن وسنت واجماع سے ثابت ہیں۔ ان میں قیاس نہیں چلتا۔" (نمازِ پیغمبر ﷺ ص ۳۰)

آلِ دیوبند کے اصول کے مطابق اجماع کو ماننا تقلید نہیں، اس کی مزید وضاحت ماسٹر امین اوکاڑوی کی عبارت سے پیشِ خدمت ہے، ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:

"اصحاب صحاح ستہ کا محدث ہونا اجماع امت سے ثابت ہے" (تجلیات صفدر ۳۸۰/۳)

اب ظاہر ہے یہ محدثین تو امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہیں تو ثابت ہوا کہ اجماع کو ماننا امام ابوحنیفہ کی تقلید نہیں اور اجماع کے متعلق جمیل احمد دیوبندی نے لکھا ہے: "یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ امت اجتماعی طور پر خطاء سے معصوم

ہے یعنی پوری امت خطاء اور ضلالت پر اتفاق کر لے ایسا نہیں ہو سکتا ہے اور جب ایسا ہے تو اجماع کا ماننا اور اسکا حجت ہونا ثابت ہوگا۔" (غیر مقلدین کیا ہیں؟ ۱/۳۸۵)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا: "اجماع اُمت ایسی چیز ہے جس کو ہم معصوم مانتے ہیں"

(فتوحات صفدر ج ۳ ص ۲۷۳)

امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: "اجماع معصوم ہوتا ہے" (تجلیاتِ صفدر ۳/۲۰۲)

جبکہ ائمۂ مجتہدین کے اجتہاد سے متعلق سرفراز صفدر کی عبارت گزر چکی ہے کہ ان کے اجتہاد میں خطاء کا احتمال ہوتا ہے، اور تقی عثمانی صاحب نے بھی لکھا ہے: "اور آئمہ مجتہدین کے بارے میں تمام مقلدین کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے ہر اجتہاد میں خطاء کا احتمال ہے۔"

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۳۵)

اب یہ بات آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق واضح ہو چکی ہے کہ قرآن، حدیث اور اجماع کو ماننا تقلید نہیں بلکہ تقلید صرف اور صرف امام ابوحنیفہ کے اس قول کو جس میں خطاء کا احتمال ہو، ماننے کا نام ہے۔ نیز بعض ایسے مسائل کہ جن میں آلِ دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں احادیث موجود ہوں، خواہ متعارض ہی کیوں نہ ہوں، مثلاً مسئلہ رفع یدین اور قراءۃ خلف الامام، ان میں بھی تقلید نہیں کی جائے گی، کیونکہ منیر احمد منور دیوبندی نے لکھا ہے:

"وہ مسائل جن کے ادلہ متعارض ہیں جیسے رفع یدین، قراۃ خلف الامام وغیرہ مسائل میں اثبات ونفی کی حدیثیں موجود ہیں اور محدثین نے کتب حدیث میں دونوں قسم کے باب قائم کر کے دونوں طرح کی حدیثیں نقل کی ہیں" (۱۲ مسائل ص ۸۔۹)

رفع یدین کے مسئلہ کو ماسٹر امین اوکاڑوی نے بھی مسائل منصوصہ متعارضہ میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے تجلیاتِ صفدر (۶/۹۱)

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: "مسئلہ ترک رفع یدین میں احناف تقلید نہیں کرتے بلکہ اس میں احادیث صحیحہ اور صریحہ کی پیروی کرتے ہیں" (الکلام المفید ص ۲۱۲)

سرفراز صفدر صاحب نے مزید لکھا ہے: "حالانکہ ترکِ رفع یدین بھی آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اور مسئلہ تقلید کے سلسلہ میں احناف کے عدم رفع یدین کے فعل کو جو بالکل غیر متعلق ہے ذکر کر کے جناب میاں صاحبؒ اپنے حواریوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ احناف ترک رفع یدین میں تقلید کرتے ہیں اور مابدولت حدیث پر عامل ہیں اس سے زیادہ تعصب اور کیا ہوگا؟ یا ہو سکتا ہے؟ وثانیاً حضرت میاں صاحبؒ کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ترک رفع یدین کے منصوص مسئلہ کو تقلید کی بحث میں مثال کے طور پر بھی نہ ذکر کرتے کیونکہ تقلید غیر منصوص مسائل میں ہوتی ہے اور یہ تو صحیح حدیث سے ثابت شدہ مسئلہ ہے۔'' (الکلام المفید ص ۲۱۵)

اشرف علی تھانوی نے کہا: ''باقی رفع الیدین اور آمین یہ تو غیر مقلدیت نہیں۔''

(ملفوظات ۲۶/۳۳۲)

محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے: ''رفع یدین اور ترکِ رفع یدین باجماعِ امت دونوں جائز ہیں۔'' (اختلاف امت اور صراطِ مستقیم ج ۲ ص ۱۷)

اگرچہ ترکِ رفع یدین کے بارے میں لدھیانوی کی بات بالکل غلط ہے، لیکن الزامی طور پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب آپ کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی ہے تو اجماع آپ کے نزدیک معصوم ہوتا ہے اور تقلید اجتہادی مسائل میں ہوتی ہے جن میں خطا کا احتمال ہوتا ہے تو اس طرح بھی یہ ثابت ہوا کہ رفع یدین کا مسئلہ تقلید کا مسئلہ نہیں۔

مذکورہ عبارت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس مسئلہ کو بعض دیوبندی علماء منصوصہ متعارضہ تسلیم کرتے ہیں اس مسئلہ میں آلِ دیوبند کے امام سرفراز خان صفدر نے سرے سے تقلید کا انکار کر دیا ہے اور اس مسئلہ میں تقلید کرنے والوں کو احناف سے خارج کر دیا ہے۔ الغرض جو مسئلہ ان کے نزدیک منصوصہ متعارضہ ہو وہ اس میں بھی تقلید نہیں کرتے۔

رفع یدین یا ترکِ رفع یدین کا مسئلہ آلِ دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں تقلید کا مسئلہ نہیں، اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

''امام بخاریؒ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں'' (جزء القراءۃ مترجم ص ۱۷)

اور مسئلہ رفع یدین میں بقولِ اوکاڑوی امام بخاری رحمہ اللہ کا امام شافعی رحمہ اللہ سے اختلاف ہے۔ دیکھئے جزء رفع الیدین (مترجم ص ۲۵۱)

قارئین کرام! اس کی ایک دوسری مثال بھی ملاحظہ فرمالیں:

سرفراز صفدر دیوبندی نے اہل حدیث سے مخاطب ہو کر لکھا ہے: ''اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جن آیات اور احادیث کو وہ قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں وہ نص اور قطعیت کے ساتھ ان کے نزدیک بھی اس دعویٰ پر دال نہیں ہیں ورنہ وہ اس مسئلہ کو اجتہادی مسئلہ کبھی نہ کہتے کیونکہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں صراحت نہ ہو اور ان حضرات کا اس مسئلہ کو اجتہادی کہنا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صریح، صحیح اور منطوق طور پر ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے جبھی تو یہ مسئلہ ان کے نزدیک اجتہادی ہے لہٰذا آیات واحادیث کو ترک کرنے کا احناف پر الزام اور طعن بالکل بے جا ہے اس لیے کہ بقول ان حضرات کے احناف نے دلائل اور احادیث کو ترک نہیں کیا۔ بلکہ ان کے اس مفہوم اور معنیٰ کو ترک کیا ہے۔ جس کو مجوّزین حضرات اپنے اجتہادی رنگ میں اپناتے ہیں اور اس کے برعکس احناف نصِ قطعی اور صریح وصحیح احادیث سے مقتدی کا وظیفہ ترک القرأت خلف الامام بتاتے ہیں...'' (احسن الکلام ص ۵۹۸ طبع جدید)

مذکورہ عبارت میں سرفراز صفدر صاحب نے قراءۃ خلف الامام کے مسئلہ کو بھی اجتہادی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور نص قطعی اور صریح وصحیح احادیث پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور بڑی صراحت سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ آلِ دیوبند کے نزدیک تقلید صرف امام ابوحنیفہ کے ان اقوال میں کی جاتی ہے جن کا تعلق اجتہاد سے ہو۔

محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی لکھا ہے: ''قرآن وسنت کے قطعی احکام میں کسی امام کی تقلید ضروری نہیں سمجھی گئی'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۳)

مسئلۂ قراءت خلف الامام آلِ دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں تقلید کا مسئلہ نہیں، اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اوکاڑوی کے بقول امام بخاری رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے

مقلد ہیں۔ (جزء القراءۃ مترجم ص ۱۷)

اور مسئلۂ قراءت خلف الامام میں بقول اوکاڑوی امام بخاری رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے۔ دیکھئے جزء القراءۃ (مترجم ص ۴۵)

قارئین کرام! یہ بات بھی آپ کو بتانا ضروری ہے کہ آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی معتبر کیوں نہ ہو اس کی وہ بات جو بسند صحیح ثابت نہ ہو تسلیم نہیں کی جائے گی، مثال کے طور پر اگر امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محدث کہ جن کے متعلق آلِ دیوبند کے "حکیم الاسلام" قاری محمد طیب نے لکھا ہے: "بہر حال امام بخاریؒ کا حافظہ، ان کا اتقان اور ان کا زہد و تقویٰ یہ گو اظہر من الشمس ہے۔ ساری دنیا اس کو جانتی ہے۔"

(خطبات حکیم الاسلام ۶/ ۶۷)

اگر امام بخاری رحمہ اللہ بھی کسی تابعی کا قول بغیر سند کے نقل کریں تو سرفراز صفدر صاحب اسے یوں ٹھکراتے ہیں: "امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔" (احسن الکلام ۱/ ۳۲۷، دوسرا نسخہ ۱/ ۴۰۳)

نیز دیکھئے احسن الکلام (۲/ ۱۴۹، دوسرا نسخہ ۲/ ۱۶۳)

فقیر اللہ دیوبندی نے لکھا ہے:

"اور کوئی بے سند بات قبول کرنے کے قابل نہیں ہوتی" (خاتمۃ الکلام ص ۱۵۸)

اسی طرح اگر حسن بصری رحمہ اللہ جیسے تابعی کسی ایسے صحابی رضی اللہ عنہ کا قول بیان کریں جن سے ان کی ملاقات ثابت نہ ہو تو سرفراز صفدر اور ان کے اکابر اسے تسلیم نہیں کرتے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ازالۃ الریب (ص ۲۳۷) نصب الرایہ (۲/ ۱۲۶) البحر الرائق (۲/ ۴۰) مستملی (ص ۴۱۶) بذل المجہود (۲/ ۳۲۹) اور الحدیث حضرو نمبر ۶۷ (ص ۴۶-۴۷)

قارئین کرام! بدر الدین عینی احناف کے بہت بڑے امام ہیں۔ سرفراز صاحب نے ان کو "بلند پایہ حنفی فقیہہ، محدث اور شیخ الاسلام" جیسے القاب سے نوازا ہے۔

دیکھئے ازالۃ الریب (ص ۴۰۸)

اسی بدرالدین عینی نے اپنی کتاب عمدۃ القاری (۱۱/۱۲۶ ح ۲۰۱۰) میں لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے لئے گیارہ رکعات تراویح کو اختیار کیا، تو ماسٹر امین اوکاڑوی نے اس قول کو اور ایک دوسرے قول کو یعنی دونوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا:

''یہ دونوں قول بالکل بے سند ہیں۔'' (تجلیات صفدر ۳/۲۳۹)

اب میرا آلِ دیوبند سے یہ سوال ہے کہ کوئی ایک ایسا مسئلہ جس میں امام بخاری نے امام شافعی کی تقلید کی ہو اور آلِ دیوبند نے امام ابوحنیفہ کی تقلید کی ہو اور وہ مسئلہ نہ قرآن میں ہو، نہ حدیث میں ہو اور نہ اس پر اجماع ہو، امام ابوحنیفہ کا صحیح سند کے ساتھ ایسا قول ہو جس کا تعلق اجتہاد سے ہو اور آلِ دیوبند کا اس قول کے متعلق یہ اقرار ہو کہ اس قول میں خطا کا احتمال موجود ہے۔ آلِ دیوبند کا اس قول پر عمل ہو اور اہلِ حدیث نے اس قول کا انکار کیا ہو، پیش فرمائیں، تاکہ پتا تو چلے کہ کس مسئلے کا نام انھوں نے تقلید شخصی رکھا ہوا ہے۔!!

میں نے صرف ایک مسئلے کا مطالبہ کیا ہے، جبکہ سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''جن مسائل میں مقلدین نے تقلید کی ہے وہ بے شمار مسائل ہیں'' (الکلام المفید ص ۱۸۱)

امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''اجتہادی مسائل کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار ہے''

(تجلیاتِ صفدر ۵/۱۷۱)

البتہ اہلِ حدیث جس تقلید کی مذمت کرتے ہیں اس کی دس مثالیں درج ذیل ہیں:

۱: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن المتبايعين بالخيار في بيعهما ما لم يتفرقا أو يكون البيع خيارًا .))

دکاندار اور گاہک کو اپنے سودے میں (واپسی کا) اختیار ہوتا ہے، جب تک دونوں (بلحاظِ جسم) جدا نہ ہو جائیں یا (ایک دوسرے کو) اختیار (دینے) والا سودا ہو۔ (نافع کہتے ہیں کہ) ابن عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی پسندیدہ چیز خریدنا چاہتے تو اپنے (بیچنے والے) ساتھی سے (بلحاظِ جسم) جدا ہو جاتے تھے۔ (صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب کم یجوز الخیار ح ۲۱۰۷ و صحیح مسلم: ۱۵۳۱)

حنفی حضرات یہ مسئلہ نہیں مانتے، جبکہ امام شافعی و محدثین کرام ان صحیح احادیث کی وجہ

سے اسی مسئلہ کے قائل وفاعل ہیں۔

محمود حسن دیوبندی نے کہا:

"یترجح مذہبہ و قال: الحق والإنصاف أن الترجیح للشافعي في ہذہ المسئلۃ و نحن مقلدون یجب علینا تقلید إمامنا أبي حنیفۃ واللّٰہ أعلم"

یعنی: اس (امام شافعی) کا مذہب راجح ہے۔ اور (محمود حسن نے) کہا: حق وانصاف یہ ہے کہ اس مسئلے میں (امام) شافعی کو ترجیح حاصل ہے اور ہم مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے، واللہ اعلم (تقریر ترمذی ص ۳۶، نسخہ اخریٰ ص ۳۹)

غور کریں! کس طرح حق وانصاف چھوڑ کر اپنے مزعوم امام کی تقلید کو سینے سے لگالیا گیا ہے، یہی محمود حسن صاحب صاف صاف اعلان کرتے ہیں:

"لیکن سوائے امام اور کسی کے قول سے ہم پر حجت قائم کرنا بعید از عقل ہے"

(ایضاح الادلہ ص ۲۷۶ سطر ۱۹ مطبوعہ: مطبع قاسمی مدرسہ اسلامیہ دیوبند ۱۳۳۰ھ، دوسرا نسخہ ص ۴۸۹)

آلِ دیوبند کی مستند کتاب "بیس بڑے مسلمان" کے صفحہ ۲۹۸ پر محمود حسن کی کتابوں میں تیسرے نمبر کے تحت لکھا ہوا ہے: "نمبر ۳ تقریر ترمذی بزبان عربی: یہ تقریر ترمذی شریف کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے اور مقبول خاص وعام ہے۔"

اس تقریر کے مرتب کے متعلق سرفراز صفدر صاحب نے لکھا ہے: "ترمذی کی تقریر کے مرتب حضرت مولانا نظام الدین صاحب کیرانویؒ ہیں" (الکلام المفید ص ۲۸۱)

۲: ایک حدیث جس کے مطابق ایسے مقتدی کہ جن کا امام نفل پڑھ رہا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے فرض نماز پڑھیں تو مقتدیوں کی نماز بالکل صحیح ہو جائے گی، حنفیوں کے امام ملا علی قاری سے جب اس کا کوئی مناسب جواب نہ بن سکا تو عاجز آ کر لکھ دیا: "وعلی قواعد مذہبنا مشکل جدًا" یعنی ہمارے مذہب کے اصول پر یہ حدیث بہت مشکل ہے۔

(مرقاۃ ۲۸۲/۳، دوسرا نسخہ ۵۲۶/۳)

۳: نبی اکرم ﷺ کے دور میں ایک عورت آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتی تھی تو

اس کے شوہر نے اس عورت کو قتل کر دیا۔ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

" ألا اشهدوا أن دمها هدر " سن لو! گواہ رہو کہ اس عورت کا خون رائیگاں ہے۔

(سنن ابی داود، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن سب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ح ۴۳۶۱ وسندہ صحیح)

اس حدیث اور دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے۔ یہی مسلک امام شافعی اور محدثین کرام کا ہے، جبکہ حنفیوں کے نزدیک شاتم الرسول کا ذمہ باقی رہتا ہے۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۵۹۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" و أما أبو حنيفة و أصحابه فقالوا: لا ينتقض العهد بالسب ولا يقتل الذمي بذلك لكن يعزر على إظهار ذلك ... " إلخ

ابوحنیفہ اور اس کے اصحاب (شاگردوں و متبعین) نے کہا: (آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو) گالی دینے سے معاہدہ (ذمہ) نہیں ٹوٹتا اور ذمی کو اس وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا لیکن اگر وہ یہ حرکت علانیہ کرے تو اسے تعزیر لگے گی... الخ (الصارم المسلول بحوالہ ردالمحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۳۰۵)

اس نازک مسئلے پر ابن نجیم حنفی نے لکھا ہے: " نعم نفس المؤمن تميل إلى قول المخالف في مسئلة السب لكن اتباعنا للمذهب واجب " جی ہاں، گالی کے مسئلے میں مومن کا دل (ہمارے) مخالف کے قول کی طرف مائل ہے، لیکن ہمارے لئے ہمارے مذہب کی اتباع (تقلید) واجب ہے۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۵ ص ۱۱۵)

۴: حسین احمد مدنی ٹانڈوی لکھتے ہیں:

"ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ تین عالم (حنفی، شافعی اور حنبلی) مل کر ایک مالکی کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم ارسال کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ: میں امام مالک کا مقلد ہوں دلیل ان سے جا کر پوچھو اگر مجھے دلائل معلوم ہوتے تو تقلید کیوں کرتا؟ تو وہ لوگ ساکت ہو گئے" (تقریر ترمذی اردو ص ۳۹۹ مطبوعہ: کتاب خانہ مجیدیہ ملتان)

ارسال: ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا ساکت: خاموش

اب دیکھئے وہ لوگ ساکت کیوں ہو گئے تھے؟ کیا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں؟ یقیناً موجود ہے، لیکن انھیں پتا تھا کہ اگر اس مقلد کو حدیث منوائی تو خود بھی دوسری احادیث ماننا پڑیں گی۔

۵: صحیح حدیث میں آیا ہے: ((من أدرك من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصبح)) جس نے صبح کی ایک رکعت، سورج طلوع ہونے سے پہلے پالی تو اس نے یقیناً صبح (کی نماز) پالی۔ (البخاری:۵۷۹ ومسلم:۶۰۸)

فقہ حنفی اس صحیح حدیث کی مخالف ہے۔ ''مفتی'' رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے اس مسئلے پر کچھ بحث کر کے لکھا ہے: ''غرضیکہ یہ مسئلہ اب تک تشنۂ تحقیق ہے۔ معہذا ہمارا فتویٰ اور عمل قولِ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق ہی رہے گا اس لئے کہ ہم امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لئے قولِ امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلۂ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفۂ مجتہد ہے۔'' (ارشاد القاری الی صحیح البخاری ص ۴۱۲)

اسی حدیث پر بحث کرتے ہوئے تقی عثمانی نے کہا ہے: ''حدیث باب حنفیہ کے بالکل خلاف ہے، مختلف مشائخ حنفیہ نے اس کا جواب دینے میں بڑا زور لگایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی شافی جواب نہیں دیا جا سکا، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے مسلک پر اس حدیث کو مشکلات میں شمار کیا گیا ہے'' (درس ترمذی ۱/۴۴۴)

اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے تقی عثمانی صاحب نے مزید کہا ہے:

''اور اس معاملہ میں تفریق بین الفجر والعصر کے بارے میں حنفیہ کے پاس کوئی نص صریح نہیں، صرف قیاس ہے، اور وہ بھی مضبوط نہیں'' (درس ترمذی ۱/۴۳۹)

۶: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اگر جنازہ مرد کا ہو تو امام میت کے سر کے سامنے کھڑا ہو اور اگر جنازہ عورت کا ہو تو امام، میت کے وسط یعنی درمیان میں کھڑا ہو۔

دیکھئے اشرف الہدایہ (۴۲۹/۲)

لیکن قیاس کی وجہ سے حدیث کی ایسی تاویل کر کے کہ جو تاویل خود جمیل احمد

سکروڈھوی (مدرس دارالعلوم دیوبند) کے نزدیک معتبر تاویل نہیں، یہ فتویٰ دیا گیا کہ جنازہ خواہ مرد کا ہو یا عورت کا امام اس کے سینے کے مقابل کھڑا ہو۔
تفصیل کے لئے دیکھئے اشرف الہدایہ (۲/۴۲۸۔۴۲۹)

اور مزید ستم یہ کہ محمد بن "مفتی" محمد ابراہیم صادق آبادی دیوبندی نے اسی قیاسی اور بے دلیل فتوے کو سنت کا نام دے رکھا ہے۔ دیکھئے گلدستہ سنت (ص ۵۹)

۷: صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے درندے کی کھال بچھا کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (دیکھئے نماز پیغمبر ﷺ از محمد الیاس فیصل دیوبندی ص ۲۱۶)

نوٹ: یہ کتاب محمد ادریس انصاری دیوبندی کی پسند فرمودہ ہے۔ دیکھئے (ص ۲۲)

جبکہ سید مشتاق علی شاہ دیوبندی کی مرتب کردہ کتاب میں کتے کی کھال کے متعلق لکھا ہوا ہے: "میں کہتا ہوں کہ دباغت کے بعد جب (کتے کی) کھال پاک ہو جاتی ہے تو اس سے جانماز یا ڈول بنانے میں کیا مضائقہ ہے۔؟" (فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات ص ۳۰۵)

۸: نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سجدۂ سہو اس طرح کیا کہ جب نماز پوری کر لی اور صرف سلام باقی رہ گیا تو دو سجدے سہو کے کئے اور پھر سلام پھیرا۔
دیکھئے صحیح بخاری مع تفہیم البخاری (۱/۵۷۵،۵۷۸ کتاب السہو)

لیکن آلِ دیوبند کے نزدیک سجدۂ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ تشہد پڑھنے کے بعد ایک طرف سلام پھیرا جائے، پھر دو سجدے کئے جائیں۔ اس کے بعد تشہد اور آگے کا درود اور دعا پڑھی جائے، پھر سلام پھیرا جائے۔
دیکھئے تفہیم البخاری (۱/۵۷۷) اور بہشتی زیور (حصہ دوم ص ۳۴)

۹: سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "بے شک رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸ کتاب البیوع، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹)
لیکن اس کے برعکس فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ "إذا ذبح كلبه و باع لحمه جاز."
جب اپنا کتا ذبح کرے اور اس کا گوشت بیچے جائز ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۱۱۵، اور فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات ص ۳۷۲)

۱۰: فقہ حنفی کے اصول کی انتہائی معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے:

''مصراۃ والی حدیث صرف حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ چونکہ غیر فقیہ ہیں اس لیے ان کی یہ روایت قیاس کے خلاف ہونے کی وجہ سے متروک ہے''

دیکھئے خزائن السنن جلد دوم (ص ۱۰۷، از عبدالقدوس قارن دیوبندی) نورالانوار (ص ۱۸۳) اور اصول شاشی (ص ۷۵)

تنبیہ: بعض دیوبندیوں نے اس بیہودہ اصول کورد بھی کیا ہوا ہے۔

دیکھئے خزائن السنن (جلد دوم ص ۱۰۷، تالیف عبدالقدوس قارن دیوبندی)

اور اسی بیہودہ قسم کی تقلید کی اہلِ حدیث مذمت کرتے ہیں تو انھیں غیر مقلدین کہہ کر طعنہ دیا جاتا ہے، جبکہ خود سرفراز صفدر نے لکھا ہے:

''ان آیات کریمات میں جس تقلید کی تردید کی گئی ہے وہ ایسی تقلید ہے جو اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مدمقابل ہو ایسی تقلید کے حرام شرک، مذموم اور قبیح ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اہلِ اسلام اور اہلِ علم میں کون ایسی تقلید کو جائز قرار دیتا ہے؟ اور ایسے مقلدوں کو کون مسلمان کہتا اور حق پر سمجھتا ہے'' (الکلام المفید ص ۲۹۸)

سرفراز صفدر صاحب نے مزید لکھا ہے: ''کوئی بدبخت اور ضدی مقلد دِل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن وحدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم کہتے ہیں کہ لا شك فيه لیکن ہوش وحواس صحیح رکھتے ہوئے کون نامراد قصداً و عملاً ایسا کرتا ہے یا کرے گا؟''

(الکلام المفید ص ۳۱۰)

قارئین کرام! ایسی کئی مثالیں اوپر بیان کی جاچکی ہیں کہ اعتراف کے باوجود حق کو ٹھکرایا گیا ہے اور نورالانوار اور اصول شاشی کے حوالے سے نقل کیا جاچکا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بعض حنفیوں نے محض قیاس کی وجہ سے انھیں غیر فقیہ کہہ کر رد کر دیا ہے اور ان حنفیوں

کی اس حرکت کو بعض آلِ دیوبند نے بھی غلط سمجھتے ہوئے رد کر دیا ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا کہ کون ایسی تقلید کرتا ہے؟ بڑا عجیب وغریب ہے۔ اشرف علی تھانوی کے بقول یہ گندی روش اکثر مقلدین میں پائی جاتی ہے، چنانچہ تھانوی صاحب نے کہا:

''اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلے میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرتِ مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب وضرب کی نوبت آجاتی ہے اور قرون ثلاثہ میں اس کا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیفما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کر لیا اگرچہ اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائر ومنحصر ان چار میں ہے مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہلِ ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوی ہوں وہ اس اتفاق سے علحدہ رہے دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جاوے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہیں ہوا۔'' (تذکرۃ الرشید ۱/۱۳۱)

اور ایسے مقلدین کے متعلق خود حنفیوں کے علامہ صدر الدین علی بن علی بن ابی العز الحنفی نے لکھا ہے: " فإنه متى اعتقد أنه يجب على الناس اتباع واحد بعينه من هذه الأئمة رضي الله عنهم أجمعين دون الآخرين فقد جعله بمنزلة النبي ﷺ ، وذلك كفر . " پس جب وہ یہ عقیدہ رکھے کہ لوگوں پر ان اماموں میں سے ایک امام کی اتباع واجب ہے، اللہ اُن سب سے راضی ہو، تو اس شخص نے اُس امام کو نبی کے قائم مقام بنا دیا ہے اور یہ کفر ہے۔ (التنبیہ علی مشکلات الہدایۃ ۲/۵۴۲)

تقلید شخصی کے علاوہ تقلید کا لفظ بعض علماء مختلف معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں، مثلاً امام شافعی اور علامہ طحاوی کے نزدیک حدیثِ رسول ﷺ کو تسلیم کرنا تقلید کہلاتا ہے۔

ابو جعفر الطحاوی، حدیث ماننے کو تقلید کہتے ہیں، مثلاً وہ فرماتے ہیں: " **فذهب قوم إلى هذا الحديث فقلدوه** " پس ایک قوم اس (مرفوع) حدیث کی طرف گئی ہے، پس انھوں نے اس (حدیث) کی تقلید کی ہے۔ (شرح معانی الآثار ۴/۴ کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالحنطۃ متفاضلاً)

گزشتہ صفحات پر حنفیوں و مالکیوں و شافعیوں و حنبلیوں کی کتابوں سے مفصل نقل کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی بات (یعنی حدیث) ماننا تقلید نہیں ہے۔ لہٰذا علامہ طحاوی کا حدیث پر تقلید کا لفظ استعمال کرنا غلط ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ وہ حدیثیں مانتے تھے تو کیا اب یہ کہنا صحیح ہوگا کہ امام ابو حنیفہ مجتہد نہیں بلکہ مقلد تھے؟ جب وہ حدیثیں مان کر مقلد نہیں بنتے تو دوسرا آدمی حدیث مان کر کس طرح مقلد ہو سکتا ہے؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " **ولا يقلد أحد دون رسول الله ﷺ** " اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔

(مختصر المزنی، باب القضاء، بحوالہ الرد علی من اخلد الی الارض للسیوطی ص ۱۳۸)

یہاں پر تقلید کا لفظ بطورِ مجاز استعمال کیا گیا ہے۔ امام شافعی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی شخص کی بات بلا دلیل قبول نہیں کرنی چاہئے۔

حافظ خطیب بغدادی اور حافظ ابن عبدالبر کے نزدیک عامی کا مفتی سے سوال کرنا تقلید کہلاتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ (ص ۴۴)

تو عرض ہے کہ آلِ دیوبند کے نزدیک بھی یہ دونوں قسم کے اقوال تقلید نہیں کہلاتے، کیونکہ تمام ثقہ ائمہ مجتہدین بھی حدیث کو مانتے تھے اور آل دیوبند کا اعلان ہے کہ مجتہد مقلد نہیں ہوتا بلکہ تقلید تو جاہل کے لئے ہوتی ہے۔

سرفراز صفدر صاحب نے لکھا ہے: " اور تقلید جاہل ہی کیلئے ہے " (الکلام المفید ص ۲۳۴)

اجتہاد واجب، تقلید حرام ہے'' (تجلیاتِ صفدر ۳/ ۴۰۷)

اور اسی طرح عامی کا مفتی سے سوال کرنا بھی تقلید نہیں کہلاتا، ورنہ پھر تمام دیوبندی اپنے علماء کے مقلد بن جائیں گے، جبکہ آلِ دیوبند کا اعلان ہے کہ چار ائمہ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں بلکہ اجماع کی مخالفت ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ مذکورہ علماء کا تقلید کے لفظ کو استعمال کرنا مجازی طور پر ہے، اور اسی طرح اگر کوئی مفتی اپنے اجتہاد سے کوئی مسئلہ بتائے، جیسا کہ تھانوی صاحب بتایا کرتے تھے تو اسے تسلیم کرنا بھی تقلید نہیں اور آلِ دیوبند کی انتہائی معتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے:

''أجمع الفقهاء على أن المفتي يجب أن يكون من أهل الاجتهاد''

یعنی فقہاء کا اجماع ہے کہ مفتی کا اہل اجتہاد میں سے ہونا واجب ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ باب ۱ ص ۳۰۸)

تنبیہ: دین میں تقلید کے مسئلہ کی حقیقت کو جاننے کے لئے حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب: ''دین میں تقلید کا مسئلہ'' اور شمارہ الحدیث نمبر ۵ ۔ ۶ ۔ ۷ میں تقلید کے متعلق شائع ہونے والے مضمون کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔

آلِ دیوبند کی کئی عبارتوں سے واضح کیا گیا ہے کہ تقلید شخصی خاص امام ابوحنیفہ کی رائے کو اپنے اوپر نافذ کرنے کا نام ہے، جبکہ خود الیاس گھمن کے رسالہ قافلہ... میں ایک حدیث لکھی ہوئی ہے جس سے، ان کے اس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے، چنانچہ آل دیوبند کے ''شہید اور مفتی'' محمد یوسف نے لکھا ہے: ''حضرت رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے...... جس سے اس مشکلات، کے حل کرنے میں پوری رہنمائی ملتی ہے:

عن علي قال قلت يا رسول الله ﷺ! ان نزل بنا امر ليس فيه بيان امر و لا نهي فما تامرني قال شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه راى خاصة. رواه الطبراني في الاوسط ورجاله موثقون من اهل الصحيح.[1]

ترجمہ: ''حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں: ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر کوئی

ایسا مسئلہ پیش آئے جس میں آپ کا کوئی بیان کرنے یا نہ کرنے کا نہ ملتا ہو تو آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فقہاء و عابدین سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کریں شخصی رائے کو دخل نہ دیں۔'' (۱) مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۸

اس حدیث کریم سے جہاں اجتماعی شورائی فیصلوں کی نہ صرف اہمیت بلکہ فرضیت ثابت ہوئی ساتھ ساتھ اس جماعت کی اہلیت کے شرائط بھی معلوم ہو گئے:

۱:......ایسے اہل علم ہوں کہ تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو۔

۲:......صالح و متقی اور عبادت گزار ہوں '' (قافلہ...جلد نمبر ۴ شمارہ ۳ ص ۱۱)

اس حدیث میں شخصی رائے کو اختیار کرنے سے منع کر کے مشورے کا حکم دیا گیا ہے اور مشورہ لینا کوئی تقلید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ کے تحت مشورہ لینے کا حکم دیا ہے تو کیا نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تقلید کا حکم دیا تھا؟ جبکہ تھانوی صاحب نے کہا:

''پس شاورھم فی الامر سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ کر لیا کریں یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کیا کریں'' (اشرف الجواب ص ۳۱۶، دوسرا نسخہ ص ۳۰۹)

تھانوی صاحب نے مزید کہا: ''اور ہمارے پاس حدیث بریرہؓ سے دلیل موجود ہے کہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں خواہ نبی ہی کا مشورہ کیوں نہ ہو''

(اشرف الجواب ص ۱۶، دوسرا نسخہ ص ۳۰۹)

تنبیہ ضروری: تقلید کے بارے میں آلِ دیوبند کے علماء کا سخت اختلاف ہے، بعض کے نزدیک امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے اور تارکِ تقلید کا اسلام محفوظ نہیں رہ سکتا، جیسا کہ شروع میں سرفراز صفدر کا قول نقل کیا جا چکا ہے، جبکہ دوسری طرف ان کے ''حکیم الامت'' تھانوی نے کہا: ''ترکِ تقلید پر مواخذہ تو قیامت میں نہ ہوگا۔'' (ملفوظات ج ۲۶ ص ۴۴۷)

دوسری جگہ فرمایا: ''ترکِ تقلید پر قیامت میں مواخذہ ہوگا تو نہ کیونکہ کسی قطعی کی مخالفت نہیں''

حافظ زبیر علی زئی

مسجد میں ذکر بالجہر اور حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام الدارمی رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۵ھ) نے فرمایا: ''أخبرنا الحكم بن المبارك :أنبأنا عمرو بن يحيىٰ قال :سمعت أبي يحدّث عن أبيه قال: كُنَّا نَجْلِسُ عَلَىٰ بَابِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ ـ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ـ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ ، فَإِذَا خَرَجَ ، مَشَيْنَا مَعَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ ، فَجَاءَ نَا أَبُو مُوسَىٰ الْأَشْعَرِيُّ ـ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ـ فَقَالَ :أَخَرَجَ إِلَيْكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ قُلْنَا :لَا ، بَعْدُ. فَجَلَسَ مَعَنَا حَتَّىٰ خَرَجَ، فَلَمَّا خَرَجَ ، قُمْنَا إِلَيْهِ جَمِيعًا، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَىٰ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ آنِفًا أَمْرًا أَنْكَرْتُهُ وَلَمْ أَرَ ـ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ـ إِلَّا خَيْرًا. قَالَ: فَمَا هُوَ؟ فَقَالَ :إِنْ عِشْتَ فَسَتَرَاهُ .
قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ قَوْمًا حِلَقًا جُلُوسًا يَنْتَظِرُونَ الصَّلَاةَ فِي كُلِّ حَلْقَةٍ رَجُلٌ ، وَفِي أَيْدِيهِمْ حَصًا ، فَيَقُولُ : كَبِّرُوا مِئَةً، فَيُكَبِّرُونَ مِئَةً ، فَيَقُولُ :هَلِّلُوا مِئَةً ، فَيُهَلِّلُونَ مِئَةً ، وَيَقُولُ :سَبِّحُوا مِئَةً ، فَيُسَبِّحُونَ مِئَةً . قَالَ :فَمَاذَا قُلْتَ لَهُمْ ؟ قَالَ: مَاقُلْتُ لَهُمْ شَيْئًا انْتِظَارَ رَأْيِكَ أَوِ انْتِظَارَ أَمْرِكَ . قَالَ: أَفَلَا أَمَرْتَهُمْ أَنْ يَعُدُّوا سَيِّئَاتِهِمْ، وَضَمِنْتَ لَهُمْ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِهِمْ، ثُمَّ مَضَىٰ وَمَضَيْنَا مَعَهُ حَتَّىٰ أَتَىٰ حَلْقَةً مِنْ تِلْكَ الْحِلَقِ ، فَوَقَفَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: مَاهٰذَا الَّذِي أَرَاكُمْ تَصْنَعُونَ؟ قَالُوا :يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَصًا نَعُدُّ بِهِ التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلَ وَالتَّسْبِيحَ .
قَالَ: فَعُدُّوا سَيِّئَاتِكُمْ ، فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ، وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ !مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ !هٰؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ ﷺ مُتَوَافِرُونَ ، وَهٰذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ ، وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ !إِنَّكُمْ لَعَلَىٰ مِلَّةٍ هِيَ

عَبْدِالرَّحْمٰنِ ، مَا أَرَدْنَا إِلاَّ الْخَيْرَ. قَالَ : وَكَمْ مِنْ مُرِيْدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيبَهُ ، إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَدَّثَنَا أَنَّ قَوْمًا يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ ، وَايْمُ اللّٰهِ! مَا أَدْرِي لَعَلَّ أَكْثَرَهُمْ مِنْكُمْ ، ثُمَّ تَوَلّٰى عَنْهُمْ . فَقَالَ عَمْرُو بْنُ سَلَمَةَ : رَأَيْنَا عَامَّةَ أُولٰئِكَ الْحِلَقِ يُطَاعِنُونَا يَوْمَ النَّهْرَوَانِ مَعَ الْخَوَارِجِ . ''

ہمیں حکم بن المبارک نے روایت بیان کی، (کہا): ہمیں عمرو بن یحییٰ نے روایت بیان کی، کہا: میں نے اپنے والد (یحییٰ بن عمرو بن سلمہ الہمدانی) کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، انھوں نے اپنے والد (عمرو بن سلمہ الہمدانی) سے، انھوں نے کہا: ہم صبح کی نماز سے پہلے (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے کے پاس بیٹھتے تھے، پھر جب وہ باہر تشریف لاتے تو ہم پیدل چل کر اُن کے ساتھ مسجد جایا کرتے تھے۔

پھر (ایک دن) ہمارے پاس (سیدنا) ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو کہا: کیا ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) تمھارے پاس باہر تشریف لائے ہیں؟ ہم نے کہا: ابھی تک نہیں آئے۔ پھر وہ ہمارے پاس بیٹھ گئے، حتیٰ کہ آپ (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) باہر تشریف لائے۔ پھر جب وہ آئے تو ہم سب (مسجد کو پیدل جانے کے لئے) کھڑے ہوگئے اور آپ کے پاس گئے تو (سیدنا) ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہ) نے آپ سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے تھوڑی دیر پہلے مسجد میں ایک چیز دیکھی ہے، جسے میں نے ناپسند کیا ہے اور الحمدللہ میری نیت خیر کی ہی ہے۔ انھوں (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: وہ کیا ہے؟

(ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ) نے کہا: آپ اگر زندہ رہے تو عنقریب دیکھ لیں گے۔ (ان شاء اللہ) میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو دیکھا ہے، وہ نماز کے انتظار میں حلقوں کی صورت میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ہر حلقے میں ایک آدمی (ان کا سربراہ) ہے۔ لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں۔ پھر وہ (سربراہ) آدمی کہتا ہے: سو دفعہ اللہ اکبر کہو، تو وہ سو دفعہ اللہ اکبر کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو دفعہ لا الٰہ الا اللہ پڑھو، تو وہ سو دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو دفعہ سبحان اللہ کہو تو وہ سو دفعہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ انھوں (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے پوچھا:

آپ نے اُن سے کیا کہا ہے؟ انھوں (سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا: میں نے آپ کی رائے یا آپ کے حکم کا انتظار کرتے ہوئے انھیں کچھ بھی نہیں کہا۔ انھوں نے فرمایا: آپ نے انھیں یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ اپنے گناہ شمار کریں اور یہ ضمانت کیوں نہیں دی کہ ان کی نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ پھر وہ چلے تو ہم بھی آپ کے ساتھ چلے، حتی کہ وہ ان حلقوں میں سے ایک حلقے کے پاس پہنچے تو وہاں کھڑے ہو کر اُن سے پوچھا: تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہم کنکریوں پر اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ پڑھ رہے ہیں۔ انھوں (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: پس تم اپنے گناہ شمار کر لو اور میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہوگا۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اُمتیو! تمھاری خرابی ہو، تم کتنی تیزی سے ہلاک و برباد ہو رہے ہو۔ دیکھو! تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ صحابہ کثرت سے موجود ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کپڑے ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ جو برتن استعمال کرتے تھے وہ ابھی تک نہیں ٹوٹے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کیا تم ایسی ملت پر ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا کہ تم گمراہی کے دروازے کھولنے والے ہو؟!

انھوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! اللہ کی قسم! ہمارا ارادہ تو صرف خیر کا ہی تھا۔ انھوں (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو خیر کا ارادہ رکھتے ہیں اور خیر سے محروم رہتے ہیں۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو حدیث سنائی کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے، وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور اللہ کی قسم! مجھے پتا نہیں کہ شاید ان لوگوں میں تمھاری کثرت ہو۔ پھر وہ ان سے ہٹ کر چلے گئے۔ عمرو بن سلمہ نے کہا: ان حلقوں والے عام لوگوں کو میں نے دیکھا، وہ جنگِ نہروان والے دن خوارج کے ساتھ مل کر ہم سے جنگ کر رہے تھے۔ (سنن دارمی ج ۱ ص ۲۸۶۔ ۲۸۷ ح ۲۱۰ باب فی کراھیۃ اخذ الرأی، وسندہ حسن)

اس روایت کے راویوں کا مختصر تذکرہ و توثیق درج ذیل ہے:

۱) ابو صالح الحکم بن المبارک الباہلی البلخی الخاشتی الخواشتی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۳ھ)

میرے علم کے مطابق آپ کی توثیق درج ذیل ہے:

۱: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۸/ ۱۹۵)

۲: امام ترمذی نے ان کی بیان کردہ ایک منفرد اور ضعیف السند روایت کے بارے میں فرمایا: ''ھذا حدیث حسن غریب'' (ح ۲۲۳۸ باب ماجاء فی علامات خروج الدجال)

ثابت ہوا کہ وہ امام ترمذی کے نزدیک وہ صدوق وحسن الحدیث راوی تھے۔

۳: یاقوت بن عبداللہ الحموی الرومی البغدادی الادیب نے فرمایا: ''و کان ثقة''

(معجم البلدان ۲/ ۳۳۸ خاشت)

۴: حافظ ذہبی نے فرمایا: ''ثقة'' (الکاشف ۱/ ۱۸۳ ت ۱۱۹۸)

۵: حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''''صدوق ربماوھم'' (تقریب التہذیب: ۱۴۵۸)

ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے، بشرطیکہ جمہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہو۔

۶: ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن مندہ الاصبہانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۹۵ھ) نے فرمایا: ''أحد الثقات'' وہ ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔ (فتح الباب فی الکنیٰ والالقاب ص ۴۳۳ ت ۳۹۲۸)

☆ ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور السمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) نے حکم بن المبارک کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا: ''ھو عندنا ثقة'' (الانساب ۲/ ۳۰۹، الخاشتی)

یہ قول باسند صحیح ثابت نہیں۔

جمہور کی اس توثیق وتعدیل کے مقابلے میں حافظ ابن عدی کا درج ذیل قول ہے:

''ھذا الحدیث رواہ نعیم بن حماد عن عیسی والحدیث له وأنکروہ علیه، وسرقه منه جماعة منھم :عبدالوھاب (بن)الضحاك وسوید بن سعید وأبو صالح الخراسانی الخاستی والحکم بن المبارك...''

(الکامل فی ضعفاء الرجال ۱/ ۱۸۹، دوسرا نسخہ ۱/ ۳۰۴)

اس عبارت میں امام ابن عدی نے حکم بن مبارک پر سرقة الحدیث (احادیث چوری کرنے) کا سنگین الزام لگایا ہے اور خود انھوں نے دوسری جگہ فرمایا:

"وهذا إنما يعرف بنعيم بن حماد ورواه عن عيسى بن يونس فتكلم الناس فيه مجراه ثم رواه رجل من أهل خراسان يقال له الحكم بن المبارك يكنٰى أبا صالح الخواشتي،يقال انه لابأس به ، ثم سرقه قوم ضعفاء ممن يعرفون بسرقة الحديث منهم :عبدالوهاب بن الضحاك والنضربن طاهر وثالثهم سويد الأنبارى ." (الکامل ۳/۱۲۶۵، دوسرا نسخہ ۴/ ۴۹۸)

اس عبارت میں حافظ ابن عدی نے حکم بن المبارک کو سرقة الحديث کی تہمت سے باہر نکالا اور "لا بأس به" قرار دیا، لہٰذا جرح وتعدیل والے دونوں اقوال باہم متعارض ہوکر ساقط ہو گئے اور اگر متعارض نہ بھی ہوتے تو جمہور کی توثیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام ابن عدی کا پہلا قول منسوخ ہو اور دوسرا قول (بعد میں ہونے کی وجہ سے) ناسخ ہو۔ واللہ اعلم

خلاصۃ التحقیق: حکم بن المبارک موثق عندالجمہور ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

اختصار اور تفصیل کے ساتھ درج ذیل راویوں نے حکم بن المبارک کی متابعت کر رکھی ہے:

اول: علی بن الحسن بن سلیمان الحضرمی (تاریخ واسط لاسلم بن سہل الواسطی ص ۱۹۸۔۱۹۹)

دوم: امام ابوبکر بن ابی شیبہ (المصنف ۱۵/ ۳۰۶ ح ۳۷۸۷۹)

۲) عمرو بن یحییٰ رحمہ اللہ (دیکھئے سنن داری، نسخہ حسین سلیم اسد ۱/ ۲۸۶۔۲۸۷ ح ۲۱۰)

سنن دارمی کے بعض نسخوں میں "عمر بن یحییٰ" ہے جو کہ خطا ہے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ سے ثابت ہے۔ (نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحہ للالبانی ۵/ ۱۲ ح ۲۰۰۵)

عمرو بن یحییٰ بن عمرو بن سلمہ الہمدانی کے بارے میں جرح وتعدیل کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "صالح" (کتاب الجرح والتعدیل ۶/ ۲۶۹)

اس کے مقابلے میں ابن عدی نے احمد بن ابی یحییٰ (الانماطی البغدادی) کی سند سے نقل کیا

کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''لیس بشئ'' (الکامل ۵/۱۷۷۳، دوسرا نسخہ ۶/۲۱۵)

ابوبکر احمد بن ابی یحییٰ الانماطی کے بارے میں حافظ ابن عدی نے فرمایا:

''ولأبی بکر بن أبی یحیي هذا غیر حدیث منکر عن الثقات ، لم أخرجه هاهنا وقد روی عن یحیي بن معین وأحمد بن حنبل تاریخًا فی الرجال .''

(الکامل ۱/۱۹۹، دوسرا نسخہ ۱/۳۲۲)

ابراہیم بن اورمہ الاصبہانی رحمہ اللہ نے فرمایا: **''أبو بکر بن أبي یحیي کذاب''**

(الکامل ۱/ ۱۹۸، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۱/۳۲۲)

اسے ابن الجوزی نے کتاب الضعفاء والمتروکین (۱/۹۲ ت ۲۷۲) میں ذکر کیا اور ذہبی نے فرمایا: **''بغدادي متهم''** (دیوان الضعفاء والمتروکین ۱/ ۳۸ ت ۱۲۲)

ثابت ہوا کہ امام ابن معین کی طرف منسوب یہ جرح، غیر ثابت ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تنبیہ: احمد بن ابی یحییٰ کا شاگرد ابن ابی عصمہ العکبری مجہول الحال ہے، لہٰذا یہ سند ظلمات ہے۔

لیث بن عبدہ سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا: **''عمرو بن یحییٰ بن سلمة ، سمعت منه، لم یکن یرضی''** (الکامل ۵/ ۱۷۷۵، دوسرا نسخہ ۶/ ۲۱۵)

لیث بن عبدہ المصری البصری المروزی شیخ الطحاوی کی توثیق نا معلوم ہے، لہٰذا یہ جرح بھی ثابت نہیں۔

☆ ابن عدی نے فرمایا: **''وعمرو هذا لیس له کثیر روایة ولم یحضرني له شئ فأذکره''** (الکامل ۵/۱۷۷۳، دوسرا نسخہ ۶/ ۲۱۵)

یہ عبارت نہ جرح ہے اور نہ تعدیل، لہٰذا توثیق وتضعیف سے خارج ہے۔

☆ کہا گیا ہے کہ ابن خراش (رافضی) نے کہا: **''لیس بمرضي''**

(لسان المیزان ۴/ ۳۷۸، دوسرا نسخہ ۵/ ۳۳۵)

یہ جرح دو وجہ سے ساقط ہے:

اول: یہ بے سند ہے، ابن خراش سے باسند صحیح ثابت نہیں۔

دوم: ابن خراش رافضی تھا۔

۲: حافظ ابن حبان نے عمرو بن یحییٰ مذکور کو کتاب الثقات میں داخل کیا ہے۔ (۴۸۰/۸)

☆ حافظ ابن الجوزی نے امام یحییٰ بن معین وغیرہ کی طرف غیر ثابت جرح کی بنیاد پر عمرو بن یحییٰ کو کتاب الضعفاء والمتروکین (۲/۲۳۳ ت ۲۶۰۱) میں ذکر کیا اور اصل بنیاد کالعدم ہونے کی وجہ سے یہ جرح بھی کالعدم ہے۔

☆ حافظ ذہبی نے بھی عمرو بن یحییٰ کو ابن معین کی طرف غیر ثابت جرح کی وجہ سے دیوان الضعفاء والمتروکین (۲/۲۱۲ ت ۳۲۲۹) وغیرہ میں ذکر کیا اور اصل بنیاد منہدم ہونے کی وجہ سے یہ جرح بھی منہدم ہے۔

خلاصۃ التحقیق: حافظ ذہبی اور حافظ ابن الجوزی کی جرح مرجوح ہے اور ابن حبان و ابن معین کی توثیق کی وجہ سے عمرو بن یحییٰ صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

۳) یحییٰ بن عمرو بن سلمہ الہمدانی کے بارے میں امام عجلی نے فرمایا: ''کوفي ثقة''

(التاریخ المشہور بالثقات: ۱۹۹۰)

ان سے شعبہ نے روایت بیان کی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۹/۱۷۶)

اور شعبہ (اپنے نزدیک، عام طور پر) صرف ثقہ سے روایت کرتے تھے۔

(تہذیب التہذیب کا مقدمہ ج۱ ص۱۰)

امام یعقوب بن سفیان الفارسی کی کتاب المعرفۃ والتاریخ میں یحییٰ بن عمرو بن سلمہ کے بارے میں لکھا ہوا ہے: ''لا بأس به'' (ج۳ ص۱۰۴)

خلاصۃ التحقیق: یحییٰ بن عمرو بن سلمہ ثقہ وصدوق تھے۔

۴) عمرو بن سلمہ بن خرب الہمدانی الکوفی الکندی: ثقة (تقریب التہذیب: ۵۰۴۱)

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ امام دارمی کی بیان کردہ سند حسن لذاتہ ہے اور حنفیوں کے ایک

فقیہ ابن عابدین شامی نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ کو درج ذیل الفاظ میں صحیح قرار دیا ہے:

"لما صح عن ابن مسعود أنه أخرج جماعة من المسجد يهللون و..."

(ردالمحتار علی الدرالمختار ۵/ ۲۸۱۔۲۸۲ باب الاستبراء وغیرہ)

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: "قلت بسند صحيح"

(راہِ سنت ص ۱۲۳، طبع نہم ۱۹۷۵ء)

اب اس روایت کے بعض شواہد پیشِ خدمت ہیں:

۱: "أسد عن عبدالله بن رجاء عن عبيدالله بن عمرو عن يسار أبي الحكم أن عبدالله بن مسعود حدّث ..."

(البدع والنہی عنہا تحقیق عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم: ۲۱)

یہ سند منقطع ہے اور یسار ابوالحکم کی توثیق معلوم نہیں، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

۲: "نا محمد بن سعيد قال: نا أسد بن موسى عن يحيىٰ بن عيسى عن الأعمش عن بعض أصحابه..." (البدع والنہی عنہا: ۲۴)

اعمش مدلس ہیں اور "بعض اصحابہ" مجہول ہیں، لہٰذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔

۳: "نا أسد عن محمد بن يوسف عن الأوزاعي عن عبدالله بن أبي لبابة ..."

یہ سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۴: محمد بن وضاح قال: "نا موسى بن معاوية عن عبدالرحمن بن مهدي عن سفيان عن سلمة بن كهيل عن أبي الزعراء قال ..." (البدع والنہی عنہا: ۲۷)

کہا جاتا ہے کہ امام سفیان ثوری کی سلمہ بن کہیل سے روایت قوی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: کتاب البدع والنہی عنہا کے راوی ابوالقاسم اصبغ بن مالک بن موسیٰ القرطبی رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یوسف الازدی: ابن الفرضی نے فرمایا: "وكان ابن وضاح يجلّه ويعظّمه ... وكان إمامًا في قراءة نافع، وكان

عابدًا زاهدًا يجتمع إليه أهل الزهد والفضل ويسمعون منه ، توفى (رحمه الله) بيشتر سنة أربع وثلاث مائة ذكره أحمد وقال الرازى :توفي يوم الاثنين لثلاث خلون من رجب سنة تسع وتسعين و مائتين .''

(تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس ۱/ ۹۵ ت ۲۵۰)

ابن عذاری نے (وفیات ۲۹۹ھ کے تحت) کہا: ''وفيها توفي أصبغ بن مالك الزاهد الفقيه .'' (البیان المغرب فی اخبار الاندلس ۱/ ۲۰۴، مکتبہ شاملہ)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ''أصبغ بن مالك أبو القاسم المالكى الزاهد نزيل قرطبة ، أصله من قبرة وصحب ابن وضاح أربعين سنة وكان ابن وضاح يجلّه و يعظمه وسمع من ابن وضاح وابن القزاز وكان إمامًا فى قراء ة نافع ...''

(تاریخ الاسلام ۲۳/ ۱۳۸، وفیات ۳۰۱۔۳۱۰ھ)

ابن الجزری (متوفی ۸۳۳ھ) نے لکھا ہے: ''الزاهد ...توفي سنة أربع وثلاثمائة''

(غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء ۱/ ۱۷۱ ت ۷۹۹)

محمد بن حارث بن اسد الخشنی القیروانی کی طرف منسوب مشکوک کتاب : اخبار الفقہاء والمحدثین میں لکھا ہوا ہے: ''وكان عابدًا زاهدًا ورعًا خيرًا ...وكان ابن وضاح له مكرمًا معظمًا...'' (ص ۲۹ ت ۴۴)

خلاصہ یہ ہے کہ اصبغ بن مالک القرطبی صدوق حسن الحدیث راوی ہیں اور ان پر کسی محدث یا مستند عالم کی کوئی جرح ثابت نہیں۔

اس شاہد کے ساتھ سنن دارمی والی روایت صحیح لغیرہ ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو اپنے السلسلۃ الصحیحہ میں ذکر کیا ہے۔ (۵/ ۱۱۔۱۲ ح ۲۰۰۵)

آلِ بریلی کا مذہب ضعیف و موضوع روایات پر قائم ہے اور ان کے اصول پر بھی یہ روایت پانچ سندوں کے ساتھ حسن لغیرہ یا صحیح لغیرہ یعنی حجت ہے۔ وما علينا إلا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی

ابو یعلیٰ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن یعلیٰ بن کعب الطائفی الثقفی

جرح وتعدیل کے لحاظ سے عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی کا مختصر وجامع تذکرہ درج ذیل ہے:

جرح

ا: ابوحاتم الرازی

(قال : و ليس هو بقوي، هو لين الحديث بابة طلحة بن عمرو و عمر بن راشد و عبد الله بن المؤمل) کتاب الجرح والتعدیل ۵/ ۹۷

۲: ابن الجوزی (ذكره في الضعفاء والمتروكين) ۲/ ۱۳۰

۳: الذہبی (ذكره في المغني في الضعفاء)

۴: نسائی (قال : ليس بالقوي) الضعفاء والمتروکون: ۳۲۰

۵: طحاوی (قال : و ليس عندهم بالذي يحتج برو ايته) شرح معانی الآثار ۴/ ۳۴۳ شاملہ

☆ دارقطنی (قال: طائفي يعتبر به) سوالات البرقانی: ۲۵۸

یہ جملہ کبھی جرح ہوتا ہے اور کبھی تعدیل ہوتا ہے، لہٰذا اس سے استدلال میں نظر ہے۔

☆ بخاری (امام بخاری سے فيه نظر کا قول نقل کیا گیا ہے، لیکن یہ طائفی پر جرح نہیں بلکہ ان کی بیان کردہ ایک ضعیف السند روایت پر جرح ہے۔ یعنی في حديثه نظر)

☆ ابن شاهين ذكره في الثقات و تكلم فيه أيضًا في مقام آخر فتعارض قوله فيه فتساقط. ابن شاہین نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا اور دوسرے مقام پر ان میں کلام کیا، لہٰذا ان کا قول متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہے۔

(انظر اکمال تہذیب الکمال لمغلطائی ۸/ ۳۷ لتوثیقہ وجرحہ فیہ)

تعدیل

١: مسلم (روى له في صحيحه) ح ٤١٨٥٥ مکتبہ شاملہ / ح ٢٢٥٥، ترقیم فواد عبدالباقی

٢: ابن حبان (ذكره في الثقات) ٧/ ٤٠ ت ٨٩١٣

٣: عجلی (قال: ثقة) التاریخ المشہور بالثقات: ٩٢٨

٤: یحیٰی بن معین (قال: صالح) کتاب الجرح والتعدیل ٥/ ٩٧ ت ٤٤٨ وسندہ صحیح

وقال: ليس به بأس يكتب حديثه (الکامل لابن عدی ٤/ ١٦٧، وسندہ صحیح)

وقال: صويلح (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ٤٧٣)

٥: ابن عدی (قال: فأما سائر أحاديثه فإنه يروي عن عمرو بن شعيب أحاديث مستقيمة وهو ممن يكتب حديثه) الکامل (٤/ ١٦٧)

٦: الذہبی (ذكره في: من تكلم فيه وهو موثق)

٧: بخاری (صحح له) السنن الکبریٰ للبیہقی (٣/ ٢٨٦) العلل الکبیر المنسوب الی الترمذی ١/ ١٩٠، وقال البخاري: مقارب الحديث.

٨: ترمذی (حسن له) سنن ترمذی: ١٢٨٩، باب ماجاء فی الشفعۃ

٩: بغوی (صحح له) شرح السنۃ باب الشعر والرجز حدیث إن أصدق كلمة الخ ١/ ٨٠٣

١٠: ابن خزیمہ (روى له في صحيحه) صحیح ابن خزیمہ: ١٧٧٨

١١: بوصیری (صحح له) زوائد ابن ماجہ: ٧٠٢

١٢: ہیثمی (وثقه) انظر المعجم الکبیر للطبرانی ٩/ ٣٧/ ٨٣٤٧، مجمع الزوائد ٩/ ٣، والسلسلۃ الصحیحہ: ٢٩١٨

☆ مغلطائی حنفی (قال في حديثه: هذا حديث إسناده صحيح ...)

شرح سنن ابن ماجہ ١/ ١٠٧٥ ح ١١١، باب النہی عن النوم قبل صلوٰۃ العشاء

۱۳: ابن کثیر (قال في حديثه :هذا إسناد حسن) مقدمہ تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۰ حدیث ابی داود: ۱۳۹۳، وابن ماجہ: ۱۳۴۵

۱۴: ابن خلفون (نقل عن ابن المديني بأنه و ثقه) بحوالہ تہذیب التہذیب، وذکرہ فی الثقات/ اکمال تہذیب الکمال لمغلطائی ۸/ ۳۶

۱۵: ابوعوانہ (خرج حديثه في صحيحه) اکمال تہذیب الکمال لمغلطائی ۸/ ۳۶

۱۶: ابن حجر العسقلانی

(حسن لہ فی نتائج الافکار ۳/ ۱۶۵۔۱۶۶، حدیث: أنه طرأ عليّ حزبي القرآن)

وقال في التقريب :" صدوق يخطئ ويهم " / ۳۸۰۶

خلاصة التحقیق: جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی صدوق حسن الحدیث راوی ہیں اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ان کی روایت خاص طور پر حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ (۲۷/ جنوری ۲۰۱۲ء)

حوالے

۱: عینی حنفی نے لکھا ہے:" لأن عمل الراوي بخلاف روايته يدل على أن ما رواه منسوخ " کیونکہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی بیان کردہ روایت منسوخ ہے۔ (نخب الافکار ۴/ ۳۴۱)

۲: مؤمل بن اسماعیل نے سفیان ثوری سے ایک حدیث بیان کی اور اس حدیث کے بارے میں عینی نے لکھا ہے:"وهذا إسناد صحيح" (نخب الافکار ۴/ ۳۶۸)

۳: عینی نے لکھا ہے:" إلا مرسل الثقات مقبول يحتج به "بے شک ثقہ راویوں کی مرسل روایت (ہمارے نزدیک) مقبول حجت ہے۔ (نخب الافکار ۴/ ۱۶۳)

۴: عینی نے امام یحییٰ بن معین کے بارے میں لکھا ہے:" إمام أهل الحديث في زمانه" وہ اپنے زمانے میں اہل حدیث کے امام تھے۔ (نخب الافکار ۳/ ۲۸۳)

حافظ زبیر علی زئی

ابو حفص عبداللہ بن عیاش القتبانی المصری رحمہ اللہ

جرح وتعدیل کے لحاظ سے امام عبداللہ بن عیاش القتبانی رحمہ اللہ کا مختصر وجامع تذکرہ درج ذیل ہے:

جرح

ا: ابوحاتم الرازی (قال: لیس بالمتین صدوق یکتب حدیثه وهو قریب من ابن لهیعة) الجرح والتعدیل ۱۲۶/۵

☆ ابن یونس المصری (قال: منکر الحدیث) یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔

☆ ابوداود (قال: ضعیف) یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔

☆ نسائی (قال: ضعیف) یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔

۲: ابن حزم قال: فلیس معروفاً بالثقة. (المحلی ۳۵۷/۷)

تعدیل

ا: مسلم بن الحجاج (لأنه من رجال صحیح مسلم/ فی الشواهد)

۲: ابن حبان (ذکره في کتاب الثقات) ۵۱/۷ ت ۸۹۶۲، و روی له في صحیحه [الموارد: ۲۵۵۱] وقال: من ثقات أهل مصر۔

[مشاهیر علماء الامصار: ۱۵۱۶]

۳: ذہبی (قال: الإمام العالم الصدوق) سیر اعلام النبلاء ۳۳۳/۷ وقال: احتج به مسلم والنسائي! حدیثه في عداد الحسن۔ [النبلاء ۳۳۴/۷]

۴: حاکم (صحح له)

المستدرک ۲/۴۲۲ ح ۳۴۶۸، ۴/۳۸۳ ح ۸۳۴۶، ۴/۲۵۸ ح ۷۵۶۵

۵: الہیثمی (حسن لہ) ارواء الغلیل: ۱۱۳۳

۶: ابن کثیر (وثقہ) تفسیر ابن کثیر ۵/۳۲۴ تحت آیہ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا: ۳۷

۷: ابوعوانہ (روی لہ فی المستخرج)

۲/۲۸۲ ح ۳۱۵۱، ۴/۱۶ ح ۵۸۶۸، ۴/۴۰۱ ح ۷۰۹۵

خلاصۃ التحقیق: عبداللہ بن عیاش القتبانی المصری جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

ثقہ وصدوق راوی کی صرف وہی روایت ضعیف وغیر مقبول ہوتی ہے، جس کے ضعیف وغیر مقبول یا وہم وخطا ہونے پر محدثین کا اجماع ہو۔ (۲۵/ جنوری ۲۰۱۲ء)

حوالے

۱: عینی حنفی نے محمد بن اسحاق بن یسار کی ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

" وإسناد حديث عليٍّ حسن، بل صحيح، لأن ابن إسحاق ثقة و لكنه مدلس ولكن قد صرّح هنا بالتحديث."

اور علی (رضی اللہ عنہ) کی حدیث حسن بلکہ صحیح ہے، کیونکہ ابن اسحاق ثقہ ہیں لیکن وہ مدلس ہیں، اور لیکن انھوں نے یہاں سماع کی تصریح کردی ہے۔ (نخب الافکار ۱/۳۸۳)

۲: عینی نے لکھا ہے: **" وقد عرف أن المدلس غير مقبول ولا محتج به إلا إذا كان بلفظ مبين للاتصال، كما قد وقع في الصحيحين وغيرهما عن قتادة والأعمش والسفيانين و هشيم بن بشير وغيرهم ."**

اور (مشہور و) معروف ہے کہ مدلس کی روایت غیر مقبول اور ناقابلِ حجت ہوتی ہے اِلا یہ کہ تصریحِ سماع کا لفظ ہو، جیسا کہ صحیحین وغیرہما میں قتادہ، اعمش، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور ہشیم وغیرہم کی روایات آئی ہیں۔ (نخب الافکار ۲/۹۲)

حافظ زبیر علی زئی

ساتویں دن کے بعد عقیقہ کرنا، جائز ہے

[بعض علماء کا یہ موقف ہے کہ ساتویں دن کے بعد عقیقہ کرنا جائز نہیں، درج ذیل مضمون ان علماء کا رد ہے۔]

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

یہ بالکل صحیح ہے کہ بچہ بچی پیدا ہونے پر ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے اور اگر ساتویں دن کسی عذر کی وجہ سے عقیقہ نہ ہو سکے تو چودھویں دن اور اگر چودھویں دن نہ ہو سکے تو اکیسویں دن عقیقہ کرنا آثار کی رو سے صحیح ہے اور اگر اکیسویں دن بھی موقع نہ مل سکے تو زندگی میں جب بھی موقع ملے عقیقہ کر لینا چاہئے۔

اس مسئلے کی دو دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

۱) امام طبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

" حدثنا أحمد قال: حدثنا الهيثم قال: حدثنا عبد الله عن ثمامة عن أنس: أن النبي (صلى الله عليه وسلم) عق عن نفسه بعد ما بعث نبيًّا."

انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبی مبعوث ہونے کے بعد اپنی طرف سے عقیقہ کیا تھا۔ (المعجم الاوسط ۱/ ۲۹۸ ح ۹۹۴ شاملہ)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

۱: مشکل الآثار للطحاوی (۳/ ۷۹ ح ۸۸۳)

عن الحسن بن عبد الله بن منصور البالسي عن الهيثم بن جميل به.

۲: المختارۃ للضیاء المقدسی (۲/ ۳۵۱ ح ۱۸۳۳)

من حديث أبي حاتم الرازي: ثنا عمرو بن محمد الناقد: ثنا الهيثم بن جميل به.

۳: المحلی لابن حزم (۵۲۸/۷)

من حديث إبراهيم بن إسحاق السراج :ثنا عمرو بن محمد الناقد به .

۴: کتاب العیال لابن ابی الدنیا (ح ٦٦)

عن عمرو بن محمد الناقد به .

اب اس سند کے راویوں کی مختصر و جامع توثیق درج ذیل ہے:

۱: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ صحابی مشہور

۲: ثمامہ (بن عبداللہ) بن انس رحمہ اللہ

جمہور نے آپ کی توثیق کی ہے، اور آپ صحیح الحدیث و حسن الحدیث راوی ہیں۔

آپ کی بیان کردہ روایات صحیح بخاری (۹۴، ۹۵، ۱۰۱۰) وغیرہ میں موجود ہیں۔

و قال الحافظ ابن حجر العسقلاني رحمه الله : صدوق .

(تقریب التہذیب: ۸۹۴ و مرلہ ع/ الکتب الستۃ)

نیز دیکھئے صحیح البخاری (۹۴، ۹۵، ۱۵۱۷، ۲۴۸۷...)

و صحیح مسلم (۲۰۲۸، ترقیم دارالسلام: ۵۲۸۶)

۳: عبداللہ بن المثنیٰ بن انس رحمہ اللہ

آپ جمہور کے نزدیک موثق راوی اور حسن الحدیث ہیں۔

آپ پر بعض کی جرح مرجوح ہے۔

صحیح بخاری میں آپ کی درج ذیل روایات موجود ہیں:

۹۴، ۹۵، ۱۰۱۰، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۲۴۸۷.....

نیز دیکھئے مفتاح صحیح البخاری (ص ۹۴)

۴: ہیثم بن جمیل الانطا کی رحمہ اللہ

آپ صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ اہلِ حدیث تھے۔ جمہور نے آپ کی توثیق کی ہے اور

آپ پر امام ابن عدی وغیرہ کی جرح مرجوح و ناقابلِ سماعت ہے، نیز آپ پر اختلاط کا

الزام باطل ہے۔

۵: ہیثم بن جمیل رحمہ اللہ سے یہ حدیث درج ذیل راویوں نے بیان کی ہے:

اول: احمد بن مسعود الدمشقی المقدسی الخیاط رحمہ اللہ

آپ سے ابوعوانہ نے صحیح ابی عوانہ میں روایت بیان کی اور ضیاء المقدسی نے آپ کی حدیث کو صحیح قرار دیا، یعنی آپ حسن الحدیث ہیں۔

دوم: حسن بن عبداللہ بن منصور البالسی رحمہ اللہ

آپ سے امام ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں روایت بیان کی (ح ۲۹۲، ۲۴۱۱)

سوم: عمرو بن محمد الناقد رحمہ اللہ

آپ صحیحین کے راوی اور ثقہ حافظ تھے۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ یہ سند حسن لذاتہ اور حجت ہے۔

اس حدیث کے بارے میں بعض علماء کی خاص تحقیق درج ذیل ہے:

۱: ضیاء المقدسی نے المختارہ میں اسے درج کر کے صحیح قرار دیا۔

۲: حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: " فالحدیث قوي الإسناد " پس (یہ) حدیث بلحاظ سند قوی ہے۔ (فتح الباری ۹/۵۹۵)

حافظ ہیثمی کے کلام کے لئے دیکھئے مجمع الزوائد (۴/۹۴ ح ۶۲۰۳)

معاصرین میں سے شیخ البانی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا:

" وھذا إسناد حسن ... " اور یہ سند حسن ہے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ ۶/۲۲۵ ح ۲۷۲۶)

نیز محترم حافظ ابو یحییٰ نور پوری حفظہ اللہ نے بھی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ صاف ثابت ہے کہ اگر کسی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ نہ ہو سکے تو بعد میں جب موقع ملے (مثلاً چالیس سال کے بعد بھی) عقیقہ کرنا جائز ہے اور اسے ناجائز قرار دینا غلط ہے۔

بعض علماء نے احتمال کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی تخصیص

ہے، لیکن اس دعوے پر کوئی صریح دلیل نہیں، لہٰذا اس دعوے میں نظر ہے۔ واللہ اعلم

۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((کل غلام مرتهن بعقیقته .)) ہر بچہ اپنے عقیقے کی وجہ سے رہن رہتا ہے۔

(منتقی ابن الجارود: ۹۱۰ وسندہ حسن)

یاد رہے کہ ساتویں روز عقیقہ کرنے والی روایت صحیح ہے اور جس روایت میں چودہ اور اکیس دن کا ذکر ہے، وہ روایت ضعیف ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام ۲/۱۸۴۔۱۸۵)

لیکن اس مسئلے پر عطاء بن ابی رباح تابعی اور سلف صالحین کے آثار ثابت ہیں۔

بہتر اور مستحب یہی ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، لیکن فقرہ نمبر ۱، فقرہ نمبر ۲ (**کل غلام مرتهن بعقیقته**) اور آثارِ سلف صالحین کی رُو سے ساتویں دن کے بعد بھی عقیقہ کرنا جائز ہے۔

جب ہر بچہ عقیقے کی وجہ سے رہن رہتا ہے تو ہر رہن کو چھڑانا بھی چاہئے اور شرعی عذر وغیرہ سے رہ جانے والے انسانوں کو چاہئے کہ جب موقع ملے عقیقہ کر کے بچے کو اس رہن سے چھڑوالیں۔

ابن حزم اندلسی نے لکھا ہے:

اگر ساتویں دن عقیقے کا جانور ذبح نہ کر سکے تو اس کے بعد جب بھی اس فرض کی ادائیگی پر وہ استطاعت رکھے تو ایسا (یعنی بچے کا عقیقہ) کرلے۔ (المحلی ۶/۲۲۶)

اس قول کا کوئی بھی مخالف نہیں، بلکہ (امام احمد بن حنبل، جیسا کہ آگے آرہا ہے اور ابن القیم وغیرہما اس کے مویدین میں سے ہیں اور اس قول کے صحیح ہونے پر (ہمارے علم کے مطابق) اجماع ہے۔ واللہ اعلم

خلاصۃ التحقیق: اگر کسی عذر کی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ کی سنت پر عمل نہ ہو سکے تو پھر جب بھی زندگی میں موقع ملے عقیقہ کر لینا چاہئے اور یہی راجح و صواب ہے۔

(۲۸/ستمبر ۲۰۱۱ء)

فوائد:

ا: امام ابوبکر ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے فرمایا:

"حدثنا الحسين بن محمد: ثنا يزيد بن زريع عن حسين المعلم قال: سألت عطاء عن العقيقة، فقال: عن الغلام شاتان و عن الجارية شاة، تذبح يوم السابع إن تيسر و إلا فأربع عشرة و إلا فإحدى و عشرين."

حسین (بن ذکوان) المعلم (العوذی البصری المکتب) سے روایت ہے کہ میں نے عطاء (بن ابی رباح) سے عقیقے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: بچے کی طرف سے دو بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری ہے، اگر میسر ہو تو ساتویں دن ذبح کی جائے، اور اگر نہ ہو سکے تو چودھویں دن اور (اس میں بھی) اگر نہ ہو سکے تو اکیسویں دن (ذبح کی جائے۔) (کتاب العیال لابن ابی الدنیا ص ۲۸ ح ۶۱، مطبوعہ مکتبۃ القرآن للطبع والنشر والتوزیع، القاہرہ مصر، تحقیق مسعد عبدالحمید السعدنی)

اس اثر کی سند صحیح ہے اور راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

(۱) ابوعلی الحسین بن محمد بن ایوب الذارع السعدی البصری رحمہ اللہ

صدوق (تقریب التہذیب: ۱۳۸۰)

ثقة (الکاشف للذہبی: ۱۱۰۶)

انھیں حافظ ابن حبان وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

(۲) ابومعاویہ یزید بن زریع البصری رحمہ اللہ

ثقه ثبت / من رجال الستة (تقریب التہذیب: ۸۶۸۹)

(۳) الحسین بن ذکوان المعلم العوذی المکتب رحمہ اللہ

ثقه / من رجال الستة،

و أخطأ من قال: "ربما وهم"

وثقه الجمهور و جرح العقيلي وغيره فيه مردود.

(۴) عطاء بن ابی رباح القرشی المکی رحمہ اللہ

ثقة فقيه فاضل / من رجال الستة ، و أخطأ من قال:" إنه تغيّر بآخره " ولم يكن ذلك منه، و كذلك أخطأ من قال:" لكنه كثير الارسال" لأنه لا علاقة له هاهنا.

ثقہ اور جلیل القدر تابعی امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ اگر ولادتِ مولود کے ساتویں دن عقیقہ نہ ہو سکے تو چودھویں اور اکیسویں دن عقیقہ کرنا جائز ہے۔

امام عطاء سے ایک روایت میں آیا ہے کہ" **و إن لم يعق عنه فكسب الغلام عق عن نفسه.** " اور اگر اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو، پھر لڑکا (خود) کمائی کرے تو وہ اپنا عقیقہ خود کرے گا۔ (العیال لابن ابی الدنیا: ۷۰)

اس روایت کے راوی طریف بن عیسیٰ العنبری کی توثیق صرف حافظ ابن حبان (الثقات ۸/ ۳۲۷) منذری (الترغیب والترہیب ۳/ ۱۵۱) اور ہیثمی (مجمع الزوائد ۹/ ۳ ۱٫۷) سے ثابت ہے لیکن اس توثیق میں نظر ہے۔ واللہ اعلم

۲: امام صالح بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:" **وكان يستحب لمن عق عن ولده أن يذبح عنه يوم السابع فإن لم يفعل ففي أربع عشرة فإن لم [يفعل] ففي احدىٰ و عشرين**" اور آپ (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) اپنی اولاد میں سے جس کا عقیقہ کرتے تو پسند کرتے کہ ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، پھر اگر ایسا نہ ہو تو چودھویں دن، اور اگر یہ (بھی) نہ ہو تو اکیسویں دن۔

(مسائل صالح بن احمد ۲/ ۲۱۰ فقرہ: ۷۸۳، مطبوعہ الدار العلمیہ دہلی الہند، تحفۃ المودود ص ۴۸)

محققِ کتاب کا تحفۃ المودود کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی رجحان ہے کہ یہ قول امام احمد کا ہے۔

ابن ہانی نے کہا: میں نے ابو عبداللہ (احمد بن حنبل) سے نبی ﷺ کی حدیث: ((**الغلام مرتهن بعقيقته**)) بچہ اپنے عقیقے (نہ ہونے) کی وجہ سے رہن رہتا ہے کے بارے میں

پوچھا، اس کا معنی کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: " نعم! سنة النبي ﷺ أن يعق عن الغلام شاتان و عن الجارية شاة ، فإذا لم يعق عنه فهو محتبس بعقيقته حتى يعق عنه ." جی ہاں! نبی ﷺ کی یہ سنت ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (عقیقہ کی جائے) پس اگر اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو وہ اپنے عقیقے کی وجہ سے گرفتار رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا عقیقہ کر دیا جائے۔ (مسائل ابن ہانی ۲/۱۳۰، فقرہ:۱۷۳۶)

اس اثر سے ثابت ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ مرتہن والی حدیث کی رُو سے اکیسویں تاریخ کے بعد بھی عقیقہ کرنے کے قائل تھے اور اس مسئلے میں ابن حزم کا تفرد نہیں۔

۳: امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ ساتویں دن عقیقہ کیا جائے (جیسا کہ احمد نے فرمایا)، اور اگر میسر نہ ہو تو چودھویں دن اور اگر میسر نہ ہو تو اکیسویں دن اور یہ سب سنت ہے۔ (مسائل الامام احمد و اسحاق ، روایۃ الکوسج ۲/ ۳۵۶ فقرہ: ۲۷۹۰، مطبوعہ دار الہجرۃ للنشر والتوزیع، جزیرۃ العرب یعنی سعودی عرب)

۴: حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: " والحجة على ذلك حديث سمرة المتقدم: الغلام مرتهن بعقيقته، تذبح عنه يوم السابع و يسمى "اور (ساتویں دن کے بعد عقیقہ کرنا) اس کی دلیل سمرہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث سابق دلیل ہے: بچہ اپنے عقیقے کی وجہ سے رہن رہتا ہے، ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جاتا ہے اور نام رکھا جاتا ہے۔

(تحفۃ المودود باحکام المولود ص ۴۹، الفصل الثامن ، فی الوقت الذی یستحب فیہ العقیقۃ)

موسیٰ بن احمد بن موسیٰ بن سالم بن عیسیٰ بن سالم المقدسی الحجاوی الکنانی الصالحی (متوفی ۹۶۸ھ) نے لکھا ہے: " فإن فات ففي أحد و عشرين و لا تعتبر الأسابيع بعد ذلك فيعق بعد ذلك في أي يوم أراد و لا تختص العقيقة بالصغير."

پھر اگر (چودھویں دن) نہ ہو سکے تو اکیسویں دن (عقیقہ کرنا چاہیے) اور اس کے بعد ہفتوں کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا جس دن چاہے عقیقہ کر لے اور عقیقہ چھوٹے بچے کے ساتھ مخصوص نہیں

تدلیس اور طبقات المدلسین

محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ نے پوچھا: مدلس راوی کی ہر معنعن روایت مردود ہے اِلا کہ کوئی قرینہ مل جائے، اس اصول کے تحت طبقات المدلسین کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ نے جواب دیا: اصل تو یہی ہے کہ روایت مردود ہوگی، طبقات تو بعد کی پیداوار ہیں۔ پہلے محدثین میں یہی طریق چلتا رہا ہے کہ سماع کی تصریح مل جائے یا متابعت ہو تو مقبول، ورنہ مردود۔ یہ فلاں طبقہ اور فلاں طبقہ اسکی کوئی ضرورت نہیں، یہ تو بعد کے علماء کی اپنی تحقیقات ہیں، یہ کوئی وزنی اور پکا اصول نہیں ہے۔

محمد رفیق طاہر: کچھ مدلس رواۃ ایسے ہیں جنکے عنعنہ کو متقدمین محدثین نے قبول کیا ہے۔

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ: وہ تو ضعیف راویوں کو بھی قبول کیا ہے۔ پھر؟ متقدمین محدثین تو ضعیف راویوں کی (مرویات) بھی قبول کر لیتے ہیں، پھر ضعیف راوی بھی ثقہ بن جائے گا؟۔

محمد رفیق طاہر: نہیں

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ: قبول کرنا یا اس روایت کے مطابق فتوی دینا مسئلہ الگ ہے، اور روایت کا صحیح ہونا مسئلہ الگ ہے۔ مسئلہ وہ اجتہاد سے بیان کر رہا ہو، اور ضعیف روایت کے موافق آجائے ممکن ہے کہ وہ اسے دلیل ہی نہ بنا رہا ہو۔

محمد رفیق طاہر: پھر مسئلہ تو سیدھا سا ہی ہے۔

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ: جی ہاں، یہی سیدھا اور پکا اصول ہے، طبقات سے پہلے والے محدثین والا، کہ مدلس کا عنعنہ مردود ہے۔ 22 شعبان 1431ھ "

(سہ ماہی مجلہ المکرم شمارہ: 13، اپریل تا جون 2012ء ص ۳۷۔۳۸)

اعلان: حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۳۳ھ) کی سیرت طیبہ پڑھنے کے لئے دیکھئے مجلہ المکرّم (عدد: ۱۴) جامعہ اسلامیہ سلفیہ (مسجد مکرم) ماڈل ٹاؤن، گوجرانوالہ

Monthly AlHadith Hazro

ھمارا عزم

- قرآن وحدیث اور اجماع کی برتری
- سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
- صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
- صحیح وحسن روایات سے استدلال اور ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب
- اتباع کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
- علمی، تحقیقی ومعلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
- مخالفین کتاب وسنت اور اہل باطل پر علم و متانت کے ساتھ بہترین وبادلائل رد
- اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
- دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
- قرآن وحدیث کے ذریعے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ''الحدیث'' حضرو کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ اور مفید مشورے کا قدر وتشکر کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔

alhadith_hazro2006@yahoo.com

www.zubairalizai.com